#SaveConstitution

Farmer's Freedom to Sell

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

ملک کے معمار

”ہندوستان تاریخ کے ایک نازک موڑ اور فیصلہ کن دوراہے پر کھڑا ہے، ایک راستہ ہمیشہ کی تباہی، نہ مٹنے والے انتشار اور نہ ختم ہونے والے زوال کی طرف لے جاتا ہے، ایک راستہ ہمیشہ کے امن وامان، اتحاد و یکجہتی کی طرف لے جاتا ہے۔ ہر ایسے موڑ پر کچھ ایسے لوگ سامنے آجاتے ہیں، جو تاریخ کا رخ موڑ دیتے ہیں اور واقعات کا دھارا بدل دیتے ہیں، ان کی دلیری، ان کی صاف گوئی اور ان کی جاں بازی پورے پورے ملک اور قوم کو بچا لے جاتی ہے، یہی لوگ ملک کے معمار ہوتے ہیں۔“

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

Save
People of India

Oppression

No Farmer
No Food
No Future

Democracy
Secularism
Non-Violence

مركز الإمام أبي الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

Rs. 15/-

January 2021

محبت فاتح عالم

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

محبت کی فتح سب فتوحات سے نرالی ہے، ایسی نرالی کہ اس کو فتح کہتے ہوئے بھی محبت سے معذرت کرنی پڑتی ہے اور اس میں اس کی کچھ حق تلفی یا ناشناسی کی بو آتی ہے، اس لیے کہ محبت نے اور اہل محبت نے اکثر کھو کھو کر پایا ہے اور ہار ہار کر جیتا ہے، اس کو کسی ہم جنس کی طرف' کسی اشرف المخلوقات کی طرف' کسی صاحب ضمیر ہستی کی طرف' شکست کی نسبت کرنے سے بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے اور اپنی انسانیت دوستی' اپنے لطیف جذبات اور اپنے نازک احساسات سے شرم آنے لگتی ہے، بادشاہوں' فاتحین عالم اور مادی طاقت رکھنے والوں کا اس اصول پر عقیدہ اور عمل تھا کہ ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری'' اور اہل محبت کا اس اصول پر کہ ''بانس بھی رہے اور بانسری بھی'' صرف اس کا نغمہ بدل جائے، اس سے پہلے نفرت وعداوت کے گیت نکلتے تھے اور اب محبت' شکر واعتراف کے گیت نکلنے لگیں، بادشاہوں اور طاقتوروں کا اصول یہ تھا کہ دشمن کو فنا کردیا جائے، اہل محبت کا اصول یہ تھا کہ دشمن کو دوست نہیں بلکہ عاشق بنالیا جائے، اس اصول کا کرشمہ یہ تھا کہ جو خون کے پیاسے ہوکر آتے تھے' وہ ان کا کلمہ پڑھنے اور ان کا دم بھرنے لگتے تھے اور ساری عمر ان کی چوکھٹ پر گزار دیتے تھے۔

اس اصول پر سب سے زیادہ خدا کے پیغمبروں' مذہبی پیشواؤں اور سچی روحانیت اور بے لوث محبت کے علم برداروں نے عمل کیا۔ مذہب' اخلاق وروحانیت اور فقر وتصوف کی تاریخ ان مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ آدمی جان لینے آیا اور ان کے دربار میں جان ودل دونوں کھو بیٹھا، میں نے غلط کہا کہ اس نے کھویا' نہیں! بلکہ سب کچھ پالیا، اپنی نامعلوم صلاحیتوں کو' حسن اخلاق کو' انس ومحبت کو' ہر انسان کے اندر محبت کرنے' قدر کرنے اور اثر لینے کی جو صلاحیت ہے' اس نے نہ صرف اس کو دریافت کرلیا بلکہ اس کا مزہ چکھ لیا اور پھر ساری عمر اس کا مزہ لیتا رہا، وہ اپنے کو نہیں پہچانتا تھا' جان گیا، کولمبس کو نئی دنیا دریافت کرنے سے اتنی خوشی نہ ہوئی ہوگی' جتنی اس کو اپنی دنیا دریافت کرلینے سے خوشی ہوئی، اقبال ہی کی زبان سے سنئے:

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی — تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا من کی دنیا، سوز ومستی جذب وشوق — تن کی دنیا تن کی دنیا سود وسودا مکر وفن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارِ عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۳ — جنوری ۲۰۲۱ء - جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ — شمارہ: ۱

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ (صدر، دارِعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

خدا کا محبوب بندہ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"الخَلْقُ عِيَالُ اللهِ وَأَحَبُّهُمْ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے، اس لیے اللہ کو اپنی مخلوق میں زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اللہ کی عیال (مخلوق) کے ساتھ اچھا سلوک کرے)

(المعجم الكبير للطبراني: ٥٥٤١)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: Rs.15/-

E-Mail: markazulimam@gmail.com

سالانہ زرِ تعاون: Rs.150/-

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

دنیا تباہی کے دہانے پر! (اداریہ)........................ ۳

........................بلال عبدالحی حسنی ندوی

ہندوستان تاریخ کے ایک نازک موڑ پر........................ ۴

........................حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مسلم مسائل اور ان کا حل........................ ۶

........................حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

ایمان اور عمل صالح کی اہمیت........................ ۱۰

........................مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سچائی کیا ہے؟ (**مسلسل**)........................ ۱۲

........................بلال عبدالحی حسنی ندوی

عقیقہ کے احکام........................ ۱۴

........................مفتی راشد حسین ندوی

ہندوستانی زرعی قانون (Indian Farm Act)........ ۱۶

........................سید محمد مکی حسنی ندوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر یمن........................ ۱۸

........................محمد ارمغان بدایونی ندوی

مسلمانوں میں فرقہ پرستی کا مرض........................ ۱۹

........................محمد نفیس خاں ندوی

تمنائے مدینہ

نتیجۂ فکر:- مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ

تمنا ہے کہ گلزار مدینہ اب وطن ہوتا
وہاں کے گلشنوں میں کوئی اپنا بھی چمن ہوتا

بسر اب زندگی اپنی دیار قدس میں ہوتی
وہیں جیتا وہیں مرتا وہیں گور و کفن ہوتا

میسر بال و پر ہوتے تو میں اڑ کر پہنچ جاتا
زہے قسمت کہ اپنا آشیاں ان کا چمن ہوتا

نمازوں میں انہیں کے در پہ میں کرتا جبیں سائی
تلاوت کا ترنم اور جنت کا چمن ہوتا

مقدر سے رسائی ان کے در تک کاش ہو جاتی
متاع جاں نثارِ روضہ شاہِ زمن ہوتا

سبھی کچھ ہے مگر جب وہ نہیں کچھ بھی نہیں حاصل
جہاں میں ہوں وہیں اے کاش وہ جلوہ فگن ہوتا

خدا شاہد ہے ہم سارے جہاں پر حکمراں ہوتے
رسول پاک کی سنت اگر اپنا چلن ہوتا

تمنا ہے کہ کٹتی عمر اُن کے آستانے پر
عنایت جلوہ گر ہوتی کرم سایہ فگن ہوتا

خوشا قسمت کہ ہوتا کوچہ محبوب میں مسکن
انہیں کی راہ میں قربان اپنا جان و تن ہوتا

یہی ہے آرزو ثاقبؔ یہی اپنی تمنا ہے
کہ پیوند بقیع پاک اپنا بھی بدن ہوتا

مدیر کے قلم سے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دنیا تباہی کے دہانے پر!

اس وقت دنیائے انسانیت جس دوراہے پر کھڑی ہے اس سے پہلے شاید ایسا نازک وقت دنیا کے سامنے نہیں آیا تھا، لگتا ہے کہ وہ خودکشی پر آمادہ ہے، اتنی وسیع وعریض دنیا میں کوئی اس کا نجات دہندہ نظر نہیں آتا، ہر طرف خودغرضی کا ایک طوفان بلاخیز نظر آتا ہے، ساری قدریں ختم ہوچکی ہیں، ساری دنیا گاہک اور بیوپاری کا منظر پیش کررہی ہے، شکوہ غیروں سے نہیں، دنیا کی قومیں اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہیں، ان سے کیا امید کی جاسکتی ہے، شکوہ اپنوں سے ہے، خودغرضی اور مادیت کے طوفان میں وہ بھی خس وخاشاک کی طرح بہتے نظر آرہے ہیں، مسلم حکومتیں بے بس ہیں، ان کے سر پر قوت اقتدار کا بھوت سوار ہے، کوئی نمونہ ایسا سامنے نہیں کہ دنیا کو وہاں سے راستہ مل سکے، عام طور پر لوگ مایوسی کا شکار ہیں، خود اپنے اندر ایمان واخلاق کی طاقت کا احساس مٹتا جارہا ہے اور احساس کیا مٹتا جارہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ دلوں میں ایمان کی روشنی مدھم ہوتی جارہی ہے، اس کے بعد مادیت کے اس دور میں اخلاق کی جرأت کون کرے اور کیسے کرے، جب بنیاد ہی منہدم ہوگئی تو عمارت کہاں تعمیر ہو۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا　　　کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

کچھ بھی ہو، آج بھی نگاہیں اسی امت مرحومہ کی طرف اٹھتی ہیں جو نبی رحمۃ للعالمین ﷺ کی دی ہوئی امانت اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے، اپنے نحیف ونزار جسم کے باوجود اب بھی اس میں ایمان کی حرارت باقی ہے، آخرت کا یقین آج کے مادی دور میں بھی اس کو ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے آمادہ کرسکتا ہے، اس کے دل کے نہاں خانوں میں آج بھی وہ چنگاری موجود ہے جو دنیا کے باطل نظام کو خاکستر کردینے کے لیے کافی ہے۔

ایسی چنگاری بھی یارب! اپنے خاکستر میں تھی

تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں کہ مرد درویش نے ہمیشہ تند وتیز ہواؤں میں بھی اپنا چراغ روشن رکھا ہے، سخت سے سخت حالات میں بھی اس کی روشنی کو کوئی گل نہ کرسکا۔

ہوا ہے گو تند وتیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے　　　وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ

وہ باطنیوں کا فتنہ ہو یا تاتاریوں کی یلغار ہو، خلافتوں کا سقوط ہو یا اس ملک میں تقسیم کے زمانہ کی خوں ریزیاں ہوں، ان میں سے ایک واقعہ مسلمانوں کو ختم کردینے کے لیے کافی تھا، لیکن یہ دین قیامت تک کے لیے ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (ہم ہی نے اس نصیحت (نامہ) کو اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) کسی مرد درویش کی ایک ادا نے بعض مرتبہ قوموں کی تقدیر بدل دی۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے　　　پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

آج پھر ضرورت ہے اسی جرأت ایمانی کی، اسی عزم وحوصلہ کی، اسی جہد مسلسل اور رواں دواں زندگی کی، ضرورت ہے زندگی کے دھارے کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی اور اسکو صحیح رخ دینے کی، مسئلہ دنیائے انسانیت کا ہے اور اس کو بچانے کا کام صرف اور صرف مسلمان ہی کرسکتے ہیں، جن کے پاس انسانیت کے چراغ کے لیے تیل بتی کا سب سامان موجود ہے، ضرورت ہے اس چراغ کو روشن کرنے کی اور ایمان واخلاق کی جوت جگانے کی، جو سسکتی ہوئی دنیا کے لیے درد کا درماں ہی نہیں بلکہ اس کو ہلاکت کے غار میں گرنے سے بچانے کا سامان بھی ہے۔

ہندوستان تاریخ کے ایک نازک موڑ پر

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

انسان کے لیے بیماری یا غلطی کوئی غیر فطری چیز نہیں ہے، صحت کا اعتدال سے ہٹ جانا اور بیماری کا شکار ہوجانا، اسی طرح غلط فہمی کا شکار ہونا یا کسی غلطی کا ارتکاب کرنا، انسانی فطرت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ ایک طرح سے زندگی کی علامت ہے، پتھر غلطی نہیں کرسکتا، درخت غلطی نہیں کرسکتا، انسان ہی غلطی کرتا ہے، اس لیے غلطی زیادہ پریشانی کی بات نہیں اور اس پر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ انسانوں کی ایک بڑی جماعت کا کسی غلط راستہ پر پڑجانا، اپنی سفلی خواہشات اور پست درجہ کے مقاصد کی تکمیل کے پیچھے دیوانہ ہوجانا' تاریخ انسانی کے لیے اور تقدیر انسانی کے لیے بھی شدید تشویش کی بات نہیں ہے۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ بگڑے ہوئے حالات سے پنجہ آزمائی کرنے، فساد وانتشار پیدا کرنے والی طاقتوں سے آنکھ ملانے والے اپنی سہولتوں، عزتوں (اور بعض اوقات حکومت واقتدار) کو خطرہ میں ڈال کر میدان میں اترنے والے نایاب ہوجائیں، اصل تشویش کی بات یہ ہے۔

انسان بارہا ایسی بدنیت، فساد انگیز اور انتشار پسند طاقتوں، قیادتوں، سازشوں کے شکار ہوگئے ہیں اور ایسا نظر آنے لگا ہے کہ انسانیت سکرات کے عالم میں ہے، وہ جلد دم توڑ دے گی۔ لیکن تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ ایسے ہر موقع پر کچھ ایسے افراد میدان میں آگئے جنھوں نے زمانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حالات کا مقابلہ کیا، ان غلط رہنمائیوں اور قیادتوں کے مد مقابل بن کر کھڑے ہوگئے اور انہوں نے جان کی بازی لگادی، انسانی تہذیب کا تسلسل جو ابھی تک قائم ہے، محض نسلی تسلسل نہیں، بلکہ انسانی خصوصیات کا تسلسل جو ہر دور میں رہا ہے، انسانی احساسات و جذبات، اعلیٰ مقاصد، اخلاقی تعلیمات اور ان کی بقاء و ترقی کے لیے ہمت وجرأت اور قربانی کا جذبہ جو اس وقت تک چلا آرہا ہے، یہ درحقیقت انہیں لوگوں کا رہین منت ہے جو بگڑے ہوئے حالات میں میدان میں آئے اور انہوں نے زمانہ کے چیلنج کو قبول کیا اور ان بگڑے ہوئے حالات سے پنجہ آزمائی کی اور بعض اوقات زمانہ کی کلائی موڑ دی، انہی لوگوں کی بدولت انسانیت زندہ ہے۔

ہر زمانہ کے شاعر، ہر زمانہ کے ادیب اور ہر زمانہ کے اہل دل زمانہ کے بگاڑ کی باتیں کرتے چلے آئے ہیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد بھی انسانی خوبیوں کا سرمایہ، انسانی احساسات وجذبات کی کارفرمائی اور نیک انسان موجود رہے، یہ اصل میں انہیں لوگوں کی جد وجہد کا نتیجہ ہے، جو اس وقت اپنے مفادات سے آنکھیں بند کرکے میدان میں آگئے، انہوں نے اپنے لیے بھی، اپنے خاندان کے لیے بھی اور اپنی آئندہ نسلوں کے لیے بھی خطرہ مول لیا، زمانہ کا رخ موڑ دیا اور انسانیت کی کھیتی ان کی کوششوں اور قربانی کے پانی سے ہری ہوگئی۔

انسانیت کی بقاء کی حقیقی ضمانت وہ جری، دلیر، جاں باز اور درد مند انسان ہیں جو زخمی دل، اشکبار آنکھیں اور سلگتے اور جلتے ہوئے دل ودماغ رکھتے ہیں، جو ناسازگار حالات کا سامنا کریں، چوٹ کو برداشت کریں اور تاریخ کے دھارے کو بدلنے کے لیے جان کی بازی لگادیں۔ جب کبھی اس جنس کی کمی نظر آتی ہے تو پورا سماج، پورا معاشرہ خطرہ میں پڑجاتا ہے، خواہ دیکھنے میں آپ کو فربہی (موٹاپا) نظر آئے، جیسے ایک فربہ جسم کے اندر بیسیوں قسم کی بیماریاں پرورش پاتی ہیں، لیکن اس کی فربہی سب پر پردہ ڈالے رہتی ہے، دیکھنے والوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ انسان بہت تندرست ہے، لیکن حقیقت میں وہ بیماریوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

کسی سماج کے لیے سب سے بڑا خطرہ خواہ وہ دنیا کا قدیم سماج ہو، یہ ہے کہ اس کے اندر ظلم کا مزاج پیدا ہوجائے پھر اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اس ظلم کو ناپسند کرنے والے اس معاشرہ

میں انگلیوں پر بھی گنے نہ جا سکتے ہوں، دوربین تو دوربین خوردبین پر بھی ان کو نہ دیکھا جا سکتا ہو، پورے سماج میں چند درجن آدمی بھی ایسے نہ ہوں جو اس ظلم کو، اس سفاکی کو، اس قساوت اور سنگ دلی کو، کمزوروں پر دست درازی کو ناپسند کرتے ہوں اور اپنی ناپسندیدگی کا اعلان کرتے ہوں، گھر بیٹھ کر ناپسند کرنے والے تو مل جائیں گے، جو چار چھ آدمیوں کی موجودگی میں کہہ دیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہو رہا ہے، بڑے خطرہ کی علامت ہے، لیکن اپنی ناپسندیدگی کا اعلان کریں اور اس کو لے کر میدان میں آجائیں، ایسے افراد کی جب کسی سماج، کسی معاشرہ میں کمی ہوتی ہے تو اس سماج، اس معاشرہ اور اس سوسائٹی کو کوئی طاقت نہیں بچا سکتی، جب کسی معاشرہ میں ظلم پھیلنے لگا ہو اور پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جانے لگا ہو، جب ظلم کے لیے یہ معیار بن گیا ہو کہ ظالم کون ہے؟ ظالم کی قومیت کیا ہے؟ ظالم کا فرقہ کیا ہے؟ ظالم کی زبان کیا ہے؟ ظالم کس برادری سے تعلق رکھتا ہے تو انسانیت کے لیے ایک عظیم خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، جب انسانیت کو اسی طرح خانوں میں بانٹا جانے لگے اور ظالم کی بھی قومیت دیکھی جانے لگے، جب اس کا مذہب پوچھا جانے لگے، جب آدمی اخبار میں کسی فساد یا ظلم و زیادتی کی خبر دیکھے تو پہلے اس کی نگاہیں یہ تلاش کریں کہ کس فرقہ کی طرف سے یہ بات شروع ہوئی، اس میں نقصان کس کو پہنچا؟ جب ظلم کو ناپنے اور ظالم ہونے کا فیصلہ کرنے کا یہ پیمانہ بن جاتا ہے کہ وہ کس قسم، کس فرقہ، طبقہ و برادری سے تعلق رکھتا ہے تو اس وقت معاشرے کو کوئی طاقت، کوئی ذہانت، کوئی سرمایہ اور بڑے بڑے منصوبے بھی بچا نہیں سکتے۔

میں مذہب، انسانی تاریخ اور فلسفہ واخلاق کا ایک طالب علم ہونے کے ناطے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں (اور مجھے اندیشہ ہے کہ شاید دوسرا شخص جس پر سیاسی طرز فکر غالب ہے' نہ کہے گا) کہ اس ملک کے لیے سب سے بڑا خطرہ اور آپ کی پہلی توجہ کا مستحق ظلم و تشدد کا رجحان، انسانی جان و مال اور عزت وآبرو کی بے قیمتی ہے، خواہ اس کا تعلق کسی فرقہ سے ہو۔ جس کا ظہور فرقہ وارانہ فسادات، طبقاتی اونچ نیچ کی بنا پر پورے پورے خاندانوں اور محلوں کی صفائی، تھوڑے سے مالی فائدے کے لیے انسان کی جان لے لینا، سفاکانہ جرائم اور مظالم کی کثرت اور سب کے آخر میں (لیکن سب سے زیادہ شرمناک حقیقت) مطلوب و متوقع جہیز نہ لانے پر نئی بیاہی دلہنوں کو جلا دینا یا زہر دے کر مار دینا اور ان سے پیچھا چھڑانا ہے۔

جو لوگ مذہب پر یقین رکھتے ہیں، ان کے لیے تو یہ سمجھنا بہت آسان ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا جو ماں سے زیادہ محبت کرنے والا اور مہربان ہے، اس عمل سے خوش نہیں ہو سکتا اور اس کو زیادہ دن برداشت نہیں کرے گا اور اس کے نتیجہ میں ہزاروں کوششوں اور قابلیتوں کے باوجود کوئی ملک پنپ نہیں سکتا اور وہ معاشرہ زیادہ دن باقی نہیں رہ سکتا۔

خدا کے وجود کے بعد جس حقیقت پر تمام مذاہب، فرقوں اور مکاتب خیال کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ ظلم خواہ کسی سے سرزد ہو' بڑا گناہ (مہا پاپ) اور ملکوں اور قوموں کے حق میں سم قاتل ہے اور اس کا نتیجہ دیر یا سویر نکل کر رہتا ہے اور اس کی موجودگی میں کوئی ملک یا قوم خواہ اس کے پاس کیسے ہی قدرتی وسائل، جنگی طاقت، عددی کثرت، شاندار تاریخ اور علم و ادب اور فلسفہ کے خزانے ہوں، پھل پھول نہیں سکتی۔ لیکن جو لوگ مذہب پر اعتقاد نہیں رکھتے، وہ اس تاریخی حقیقت سے واقف ہیں کہ اس سے کم درجہ کا ظلم اور سفاکی کی وجہ سے بڑی بڑی شہنشاہیاں اور وہ تہذیبیں جن کا کسی زمانہ میں ڈنکا بجتا تھا اور آج بھی تاریخ و ادب کے صفحات پر ان کے روشن نقوش ہیں، زوال کا شکار ہو گئیں اور داستان پارینہ بن کر رہ گئیں۔

اس صورت حال کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے، سیاسی مسائل اور انتخابی مہم سے زیادہ اس کے خلاف طوفانی مہم چلانے کی ضرورت ہے، سخت قوانین، عبرتناک سزاؤں، ابلاغ عامہ کے ذرائع سے کام لینے اور انتظامیہ کو سختی سے سخت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، ورنہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

مسلم مسائل اور ان کا حل

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

امت اسلامیہ آج جس پر آشوب دور سے گزر رہی ہے، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، دنیا کے ہر خطہ میں امت اسلامیہ مختلف مسائل، مشکلات، خطرات اور چیلنجز سے دوچار ہے، اغیار اسلام اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے اور وسائل اختیار کر رہے ہیں، دوسری طرف داخلی اختلاف وافتراق، خلفشار وانتشار، مسلکی ٹکراؤ اور گروہی تصادم نے امت اسلامیہ کو کھوکھلا کر دیا ہے۔

مسلمان آج زندگی کے ہر میدان میں مشکلات وخطرات کے نرغے میں ہیں، معاشرتی، تہذیبی، تمدنی، لسانی، سیاسی، اقتصادی اور عقیدہ کے لحاظ سے خطرات وچیلنجز کا سامنا ہے، دنیا کے ہر خطہ میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے، خواہ وہ اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں، چین سے لے کر امریکہ تک، بلکہ مشرق ومغرب میں مسلمان ابتلاء وآزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں، مسلمانوں کو درپیش موجودہ صورت حال اور یہ مشکلات کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ مسلمان ماضی میں بھی دنیا کے مختلف خطوں میں بارہا پرفتن و پر آشوب دور سے گزر چکے ہیں، وہ اگر ایک خطہ میں آزمائشوں وخطرات سے گزر رہے ہوتے تو دوسرے خطہ میں کرسی اقتدار پر فائز ومتمکن ہوتے، چنانچہ کہا جاتا تھا کہ اسلام کا سورج اگر دنیا کے ایک خطہ میں غروب ہوتا ہے، تو دوسرے خطہ میں طلوع ہو رہا ہوتا ہے، تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں ہیں۔

ماضی میں مسلمانوں کی آزمائشیں اور مشکلات عسکری اور فوجی نوعیت کی تھیں، جن کے نتائج وعواقب محدود ہوا کرتے تھے، اسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں انقلاب اور بیداری کے اسباب پیدا ہوئے، لیکن مسلمان آج جن حالات سے دوچار ہیں، وہ ماضی سے مختلف اور جداگانہ ہیں، بلکہ موجودہ حالات سامراجی عہد سے مختلف ہیں جب کہ اس سے قبل سارا عالم اسلام سامراج کے قبضہ میں تھا۔

اس وقت اسلام کے خلاف عالمی سازشیں بھی زوروں پر ہیں، اسلامی تشخص کو مٹانے اور ختم کرنے کے لیے فکری، سیاسی، اقتصادی، ثقافتی، تمدنی اور فوجی ہر طرح کے وسائل وذرائع اختیار کیے جا رہے ہیں، یہ عالمی سازشیں پوری امت اسلامیہ کے لیے خطرہ کا موجب ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ذرائع ابلاغ اور نئے مواصلاتی نظام کے ذریعہ سے زبردست گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔

یہ سازشیں بیک وقت فوجی، سیاسی، فکری اور تہذیبی یلغار کی شکل میں جاری ہیں، طرفہ تماشا یہ کہ مسلمانوں کے سامنے دفاع کے تمام دروازے بند کر دیے گئے ہیں، حتی کہ اپنے کو بے گناہ بھی ثابت نہیں کر سکتے، مسلمانوں کو زبردست پروپیگنڈہ کا سامنا ہے، جس کا وہ وسائل اور صلاحیت کے باوجود مقابلہ نہیں کر سکتے، حالانکہ وہ حق پر ہیں اور ان پر میڈیا کے ذریعہ لگائے جانے والے تمام الزامات سے وہ کوسوں دور ہیں، لیکن ان کے پاس طاقتور اور مؤثر وسائل ابلاغ نہیں ہیں، جب کہ دشمن علمی اور انسانی تمام وسائل پر قابض ہے اور خود مسلمان حکومتیں ان کے خلاف ہیں، اس لیے کہ یہ حکومتیں خوفاً یا طمعاً اسلام دشمن عالمی طاقتوں کے تابع ہیں۔

سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ مسلم ملکوں کے نصاب تعلیم سے ان موضوعات ومضامین اور ایسے مواد کو نکالا جا رہا ہے جس سے طلبہ میں اسلامی شعور وبیداری اور اسلامی فکر ورجحان پیدا ہوتا ہے، اس

کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی احساس وشعور سے عاری کر دیا جائے تا کہ وہ سازشوں کا ادراک نہ کر سکیں، پوری دنیا میں اسلامی مدارس اور دینی مکاتب کے خلاف مہم چلائی جارہی ہے اوران مدارس کو اہل خیر حضرات سے ملنے والی امداد پر پابندی لگائی جارہی ہے۔

امت اسلامیہ کے خلاف عالمی پیمانے پر جو جنگ جاری ہے، وہ نفسیاتی اور شعوری جنگ ہے، جو اعصابی جنگ سے زیادہ خطرناک ہے، بلکہ سرد جنگ سے بھی زیادہ خطرناک ہے، جو سوویت یونین کے زمانہ میں مغربی یورپ اور مشرقی یورپ کے درمیان جاری تھی، اسلام مخالف طاقتیں فکر وفن اور ادب ولٹریچر کی راہ سے اسلام کو ایسی شکل میں پیش کرنا چاہتی ہیں جو ان کے تصور اور نظریہ کے مطابق ہو، نئ تحقیقات اور رپورٹوں کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمنان اسلام نے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے نئ پالیسی بنائی ہے، یہ پالیسی ادب ولٹریچر، علم وفن، شعر وشاعری، طنز ومزاح، لطائف، چٹکلوں، کارٹونوں، لباس، گھریلو ساز وسامان اور دیگر تفریحی وسائل کے ذریعہ اسلام پر حملہ کرنے کی ہے، یہ نئ پالیسی سرد جنگ سے بھی زیادہ خطرناک اور جارحانہ ہے، چند سال پہلے (اگست ۲۰۰۵ء) ''یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ'' میگزین نے ''فکر وذہن اور ڈالر'' کے عنوان کے تحت لکھا تھا کہ امریکی انتظامیہ عالم اسلام پر اثر انداز ہونے کے لیے کروڑوں ڈالر خرچ کر رہی ہے اور ان ذرائع نشر واشاعت، تحقیقی اداروں اور ریسرچ سینٹروں کو سرمایہ فراہم کر رہی ہے، جو اسلام اور مسلمان کی تصویر مسخ کر کے پیش کرتے ہیں، اس نئ جنگ کا نام ''جنرل ڈپلومیسی'' رکھا گیا ہے، لہٰذا ادباء اور فنکاروں کے ذریعہ شان رسالت میں گستاخی اور اسلام، اسلامی شعائر، اسلامی مقدسات اور مسلمانوں کی توہین کا سلسلہ جاری ہے اور ایسے لوگوں کو سیاسی پناہ اور مالی مدد فراہم کی جارہی ہے۔

بیرونی حملہ کے ساتھ ساتھ مسلمان داخلی طور پر بھی ایسے وقت میں باہمی اختلافات وانتشار کا شکار ہیں جب کہ انہیں اتحاد واتفاق کی ضرورت ہے، یہ بھی دشمنوں کی سازش کا ایک حصہ ہے کہ مسلمانوں کو باہم لڑا کر ان کی طاقت وقوت منتشر اور کمزور کر دی جائے اور وہ دشمنوں کی سازشوں اور مکاریوں سے غافل وبے خبر رہیں، آج پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، عراق، یمن، مصر، شام، لیبیا، تونس اور دوسرے اسلامی ملکوں میں جو کچھ ہورہا ہے، وہ اس کا ثبوت ہے، جہاں مسلمانوں کو مسلکی بنیاد پر، اقتصادی، طبقاتی، خاندانی، سیاسی اور فکری بنیاد پر اختلافات اور کشمکش میں الجھایا جارہا ہے، مختلف گروپوں میں مسلح تصادم کرایا جارہا ہے، خودکش حملے کرائے جارہے ہیں جن میں مسلمانوں ہی کا جانی و مالی نقصان ہوتا ہے، غیر مسلم اکثریتی ممالک میں مسلمانوں پر طرح طرح کا دباؤ ڈالا جارہا ہے۔

ذرائع ابلاغ اور نصابی کتابوں کے ذریعہ مسلمانوں کی دل آزاری کی جارہی ہے، ملک دشمن کہا جارہا ہے اور ان پر دہشت گردی، وطن دشمنی اور قدامت پرستی کا الزام لگایا جاتا ہے، دوسری طرف سامراج متعدد ملکوں میں مختلف طریقوں سے اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

معیشت کے میدان میں مسلم ملکوں کے اہل ثروت کی دولت غیر ملکی طاقتوں کے تصرف میں ہے، اس لیے کہ عالمی بینکوں، فنڈنگ کرنے والے اداروں اور سرمایہ کاری کے مرکزوں پر انہی طاقتوں کا قبضہ ہے، چنانچہ اہل خیر حضرات محنت اور خون پسینے سے کمائی ہوئی اپنی دولت کو اپنی مرضی سے خرچ نہیں کر سکتے، غیر ملکی طاقتیں مصارف متعین کرتی ہیں، حتی کہ زکوۃ اور صدقات وخیرات میں بھی انہی طاقتوں کی ہدایات کے پابند ہیں۔

مسلمان جن خطرات سے دوچار ہیں، ان میں وہ فکری وثقافتی یلغار بھی ہے جو موجودہ دور میں اصلاح پسند اور آزادانہ خیالات وافکار کے حامل مسلم مفکرین، محققین اور نام نہاد دانشور کر رہے ہیں، ماضی میں یہ فکری وثقافتی یلغار یورپی مفکرین ومستشرقین کر رہے تھے، جن کا دائرۂ اثر معلوم ومحدود تھا، اس سے موجودہ فکری وتہذیبی یلغار زیادہ خطرناک ہے، آزادانہ خیالات کے حامل مسلم مفکرین بھولے بھالے، سیدھے سادے اور سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالتے

ہیں اور ان کے دلوں میں اسلامی تعلیمات واحکام کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا کردیتے ہیں، دینی حقائق ومسلمات کو مسخ کر رہے ہیں، ان کا لٹریچر عربی، فارسی، اردو اور مسلمانوں میں رائج مختلف زبانوں میں شائع ہورہا ہے اور بیرونی طاقتیں اور مسلم حکومتیں ان کی سرپرستی کررہی ہیں اور اس طرح وہ مسلم حلقوں میں عام کیا جارہا ہے، انہیں اسلام مخالف طاقتیں ہر طرح کا تعاون بہم پہنچارہی ہیں اور اب انٹرنٹ، اخبارات ورسائل اور نشرواشاعت کے جدید وسائل نے اس کو اور آسان کردیا ہے۔

کہیں عسکری جنگ کا سامنا ہے، تو کہیں فکری اور علمی جنگ کا، کہیں تہذیبی وثقافتی یلغار کا سامنا ہے، تو کہیں معاشی بحران کا، کہیں خارجی خطرات کا سامنا ہے تو کہیں داخلی چیلنجز کا، دوسری طرف جو افراد ان خطرات کا مقابلہ کرسکتے ہیں، وہ یا تو قید وبند کا شکار ہیں یا حقیقت اور صحیح صورت حال سے واقف نہ ہونے کی بنا پر خاموش ہیں، یا گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے ہیں یا وہ قدیم تاریخ کے مسائل وامور میں الجھے ہوئے ہیں، جن کی وجہ سے ان کو نئے چیلنجز اور خطرات پر اور ان مسائل پر توجہ دینے کا موقع ہی نہیں ملتا، جن پر امت اسلامیہ کے وجود کا دارومدار ہے۔

پوری دنیا میں خاص طور سے اسلامی ملکوں میں عیسائی مشنری کے مختلف تعلیمی، ثقافتی اور رفاہی ادارے اور نیٹ ورک کام کررہے ہیں، عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں ان ملکوں میں شباب پر ہیں جو جنگوں سے نڈھال ہوچکے ہیں یا طبقاتی کشمکش، معاشی واقتصادی پریشانیوں سے دوچار ہیں، بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں پہلے چرچ کا وجود نہیں تھا، اب وہاں عیسائی عبادت گاہیں اور چرچ قائم ہوچکے ہیں، مثال کے طور پر خلیجی ممالک، متحدہ عرب امارات، عراق، افغانستان اور موریطانیہ وہ ممالک ہیں جہاں پہلے چرچ کا وجود نہیں تھا، لیکن اب جگہ جگہ چرچ نظر آنے لگے ہیں اور مسلمان ملکوں میں عیسائی آبادی کا تناسب بڑھانے کے لیے منصوبہ بند کوششیں ہورہی ہیں، عالمی طاقتیں مسلم ملکوں میں غیر مسلم اقلیتوں کو بغاوت اور علیحدگی پر اکسارہی ہیں، عیسائی مشنریوں کو یورپی ملکوں کا بھرپور تعاون اور سرپرستی حاصل ہے، عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں بھی ایک بڑا خطرہ ہیں، اس کا مقابلہ صرف دعوت اسلامی کی کوششوں سے کیا جاسکتا ہے، اس کے لیے شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے اور جدید وسائل اختیار کرتے ہوئے تعلیم وتربیت اور دعوت واصلاح کے کاز کو فعال اور مؤثر بنانا ضروری ہے۔

تاریخ میں کئی مرتبہ مسلم علاقوں پر قبضہ کیا گیا اور پھر کچھ مدت کے بعد یہ آزاد ہوگئے، اسی طرح اسلامی تاریخ میں قتل وغارت گری اور تخریب کے واقعات بھی پیش آئے اور مسلمانوں کو ظالم وجابر طاقتوں کے ظلم کا شکار ہونا پڑا، لیکن موجودہ صورت حال اس سے مختلف ہے، آج اسلام سے نفرت وعداوت پوری دنیا میں وبا کی طرح پھیل گئی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو ہر موقع پر مجرم گردانا جارہا ہے، ان کو دہشت گرد، انتہا پسند، امن دشمن کہا جارہا ہے، دنیا کے کسی بھی حصہ میں پیش آنے والے دہشت گردی کے واقعہ کو آسانی کے ساتھ مسلمانوں سے جوڑ دیا جاتا ہے، بے گناہوں کو گرفتار کیا جاتا ہے اور انہیں ناکردہ جرم کی سزا دی جاتی ہے، ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ایسی صورت حال پیدا کردی گئی ہے کہ ہر جگہ مسلمان مشتبہ سمجھا جاتا ہے، لوگ اس سے خوف وڈر محسوس کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے تعلق سے یہ سلبی ومنفی تصور میڈیا کی دین ہے، جس نے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ ”صرف اور صرف اسلام ہی دہشت گردی کا سرچشمہ ومنبع ہے۔“ یہ موجودہ صورت حال جنگ سے زیادہ خطرناک ہے۔

موجودہ حالات کا مقابلہ اور اصلاح کے لیے سنجیدہ، مثبت اور ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے، حالیہ برسوں میں بعض حلقوں کی طرف سے بدگمانی، غلط فہمی، خوف ودہشت اور شک وشبہ کے ماحول کو ختم کرنے کے لیے بین المذاہب مذاکرات کا دور شروع کیا گیا ہے، اس مہم کا مقصد مسلمانوں کے تعلق سے جو سلبی ومنفی رائے قائم کی جارہی ہے اس کا ازالہ بتایا گیا ہے، یہ ایک مثبت کوشش ہے،

لیکن عالمی طاقتیں جانب دارانہ کاروائیاں کررہی ہیں، بلکہ موجودہ سپر پاور کی تمام کارروائیوں کا ہدف اسلام اور مسلمان ہیں، جب کہ دنیا کے مختلف خطوں میں جو دہشت گرد اور انتہا پسند تنظیمیں اور ادارے پھیلے ہوئے ہیں، ان سے سپر پاور نہ صرف یہ کہ صرف نظر کرتا ہے، بلکہ ان کی سرپرستی کرتا ہے، اسی طرح عالمی میڈیا اور ذرائع نشر و اشاعت مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنے والا لٹریچر شائع کررہے ہیں اور مسلم دشمنی پر مبنی کتابیں اور مضامین شائع کیے جارہے ہیں، اگر یہ معاندانہ رویہ ترک نہیں کیا گیا اور اس کو روکنے کی کوشش نہیں کی گئی تو اس سمت میں بظاہر دکھائی دینے والا اٹھایا گیا کوئی قدم ایک سراب ثابت ہوگا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان باہمی اعتماد اور مفاہمت پیدا کرنے کے لیے کوششیں کی جائیں، اس سلسلہ میں ادباء، مفکرین، دانشور اور صحافی اور میڈیا سے وابستہ افراد اچھا رول ادا کرسکتے ہیں، اس کے لیے تعمیری و مثبت اور منصفانہ ذہنیت کے حامل میڈیا کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں مسلمانوں کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، کیونکہ وہ مجرم گردانے جارہے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ علم وفن کے ذریعہ، میڈیا کے ذریعہ اور جامع مذاکرات، مثبت ڈائیلاگ اور شخصی و انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ غلط فہمیوں کو دور کریں اور اسلامی تعلیمات کی صحیح تصویر پیش کریں، اسی کے ساتھ ساتھ مخالفانہ و معاندانہ کارروائیوں پر ردعمل کے اظہار سے گریز کریں اور اشتعال انگیزی کا جواب اشتعال انگیزی سے نہ دیں، کیونکہ یہ طریقہ حالات کو مزید ابتر بنادے گا، ان کو اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے علمی، فنی، ثقافتی اور اجتماعی کوششیں کرنی چاہئیں اور مخالفانہ حلقوں تک رسائی اور تفہیم کے لیے مواقع تلاش کرنے چاہئیں۔

موجودہ صورت حال میں اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمان ہوش مندی، دانش مندی اور صحیح فہم وفراست کا ثبوت دیتے ہوئے حالات کا جائزہ لیں اور سازشوں اور خطرات سے باخبر رہیں اور چیلنجوں اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے حکمت عملی پر مبنی مناسب اور صحیح حکمت عملی اپنائیں اور فکر وفن، زبان وادب، تہذیب وثقافت اور تفریحی پروگراموں کے راستہ سے جو حملے ہورہے ہیں، ان ہی ذرائع سے اس کا مقابلہ کیا جائے، کیونکہ مدافعت کی حکمت یہی ہے کہ وہ ہتھیار اختیار کیا جائے جو دشمن اختیار کرتا ہو، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ☆وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

(اور ان کے لیے طاقت سے اور گھوڑے پال کر ہر ممکن تیاری کرو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھا سکو اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور اللہ کے راستہ میں تم جو بھی خرچ کروگے وہ تمہیں پورا پورا مل جائے گا اور تمہارے ساتھ کچھ بھی ناانصافی نہ ہوگی اور اگر صلح کے لیے وہ جھک جائیں تو آپ بھی اس کے لیے جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں یقیناً وہ خوب سنتا خوب جانتا ہے)

مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں ضروری ہے کہ ان ذرائع ووسائل نیز اس حکمت عملی سے واقفیت پیدا کی جائے جو دشمن اختیار کرتا ہے، مسلمانوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ موجودہ دور کے خطرات اور چیلنجز کے لیے ایسے وسائل اختیار کرتے ہیں جن کا زمانہ ختم ہوچکا ہے اور جو آؤٹ آف ڈیٹ ہوچکے ہیں، جب مسلمان نئے چیلنجز اور خطرات کی حقیقت ونوعیت سے واقف ہوجائیں گے اور اس کے لیے صحیح اور مناسب وسائل اختیار کریں گے تو کامیاب وکامران ہوں گے اور تمام خطرات وچیلنجز کا مقابلہ کرسکیں گے۔

ایمان اور عمل صالح کی اہمیت

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

گھاٹے اور نقصان کا لفظ ایک سنگین اور خطرناک لفظ ہے، اگر کسی سے یہ کہہ دیا جائے کہ آپ گھاٹے میں ہیں تو یقینی بات ہے کہ وہ برہم ہوجائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو انسانوں کا بنانے والا ہے، اس کا واضح فرمان ہے کہ سارے انسان گھاٹے میں ہیں، البتہ اس گھاٹے سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بلاتخصیص یہ بھی فرمایا کہ جس کے اندر چار صفات ہوں گی، وہ گھاٹے سے بچ جائے گا:

﴿وَالْعَصْرِ☆إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ☆إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

(والعصر: ۱-۳)

(زمانے کی قسم! یقیناً انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے اور انھوں نے ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی)

پہلی صفت یہ بتائی کہ جو شخص اپنے اندر ایمان کا کرنٹ پیدا کرلے، دوسری یہ کہ اچھے اعمال کرے اور تیسری یہ کہ ایک دوسرے کو حق کی تلقین بھی کرے اور چوتھی یہ کہ ان تمام امور کے ساتھ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ ظاہر میں یہ باتیں بہت آسان ہیں کہ ایمان لے آئے، عمل صالح کرلیا، لیکن یہ ایمان، عمل صالح، حق بات کی تلقین کرنا اور صبر سے کام لینا' ان کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی گہرائی تک پہنچنا مشکل ہے۔ ایمان کا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو بلا کسی تردد اور سستی کے تسلیم کرنا ہے، عمل صالح کا مطلب صرف ظاہری امور میں شریعت کی اتباع نہیں، بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر اتباع شریعت کا پابند بننا ہے اور حق بات کی تلقین کرنے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ ایک ہی طرف سے تلقین قبول کی جائے، بلکہ بھلے اور مناسب انداز میں بیٹا باپ کی غلطی پر نشاندہی کرے گا اور باپ بیٹے کو غلط کام پر تنبیہ کرے گا، لیکن دونوں کے انداز بالکل الگ ہوں گے اور چونکہ حق بات کی تلقین کڑوی دوا پلانے کے مانند ہے، اس لیے اس بات کا پورا شبہ رہتا ہے کہ تلقین کرنے والا کچھ کڑوی کسیلی بھی سن سکتا ہے، اسی لیے اس حکم کے فوراً بعد صبر کا حکم دیا گیا، تاکہ انسان اپنے کام میں سستی نہ برتے۔

ایمان کا مطلب ہے دل سے کسی چیز کو تسلیم کرنا، اب اگر کوئی شخص شریعت محمدی پر دل سے ایمان لاتا ہے، گویا وہ اس کو دل سے مانتا ہے اور اس کی ہر ہر چیز پر اس کو پورا انشراح ہے، شریعت میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے، تو حقیقی ایمان کا اولین مطالبہ یہی ہے کہ ان اوقات کی پابندی کی جائے، لیکن خدانخواستہ کوئی پانچ وقت کی نماز نہیں پڑھتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اس حکم کو جان ضرور لیا ہے، مگر اس کو مانا نہیں، اس لیے کہ اگر مانا ہوتا تو یقیناً اس پر عمل کرتا اور کم از کم دو رکعت فجر کی، چار رکعت ظہر کی، چار رکعت عصر کی، تین رکعت مغرب کی، چار رکعت عشا کی اور تین وتر ہر حال میں پڑھتا۔ اسی طرح دوسرے فرائض (زکوۃ، روزہ، حج) کا معاملہ ہے، جن پر شریعت نے عمل کا مطالبہ کیا ہے اور اسی طرح وہ تمام حقوق بھی ہیں، جن کی ادائیگی شریعت میں ضروری قرار دی گئی ہے، یعنی بیوی کا حق شوہر پر، شوہر کا حق بیوی پر، باپ کا حق بیٹے پر، بیٹے کا حق باپ پر، بھائی کا حق بھائی پر اور اسی طرح درجہ بدرجہ۔

آج سچی بات یہ ہے کہ ہم واقعۃً بہت گھاٹے میں ہیں، ہمارے ایمان کا حال ایسا نہیں ہے کہ ہم خود کو کامیاب تصور کریں، صحابہ کی زندگیوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حقیقی ایمان تو ان کے پاس تھا اور وہ ان کی سب سے بڑی طاقت تھی، جس نے بڑی بڑی طاقتوں کو سرنگوں کردیا، ان کے ایمان کا حال یہ تھا کہ معلوم کرنا مشکل ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بات پہلے نکلی ہے یا ان نفوس قدسیہ سے عمل پہلے صادر ہوا ہے، وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم و ابرو کے پابند تھے اور اللہ و رسول کی محبت میں فنا تھے، ایک صحابی کے متعلق آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر انہیں ملی تو وہ کھیت پر تھے، وفات کی خبر کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! میں نے ان آنکھوں سے تیرے نبی کو دیکھا ہے، اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے، ان کے بعد میں کس کو ان آنکھوں سے دیکھوں گا، اب مجھے آنکھوں کی روشنی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، روایات میں آتا ہے کہ اسی وقت ان کی بینائی سلب کرلی گئی۔

ایمان ایک ایسی غیر معمولی طاقت ہے جس کے سامنے ہر طاقت ہیچ ہے اور ہر دور میں مسلمانوں کے لیے عزت و سربلندی اسی ایمان سے وابستہ ہے، ورنہ دنیا میں ان کا شمار ایک مسلم قوم کی حیثیت سے تو ممکن ہے، لیکن اہل ایمان جس شان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، اس صف میں ان کا شمار مشکل ہے۔ حضرت مولانا یوسف صاحبؒ سے ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے کہا کہ حضرت! فلاں جگہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ماری گئی، اس پر حضرت خاموش رہے، انہوں نے پھر بھی کئی مرتبہ یہ بات کہی تو حضرت نے فرمایا: وہ لوگ حقیقی مسلمان کب ہوئے تھے؟ اگر وہ صحیح معنی میں مسلمان ہوتے تو ان کو کون مار سکتا تھا۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری کی پوری دنیا کا ختم ہونا اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک ہلکا ہے، ایک مسلمان کے ختم ہوجانے سے، گویا حقیقی مسلمان کا اتنا اونچا مقام ہے کہ پوری دنیا بھی مل کر اس کو نہیں مار سکتی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب ایمان کی حقیقت دلوں میں جاگزیں ہو اور انسان حقیقی معنی میں مسلمان ہو، تو پھر اس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمانی طاقت کے طفیل مشکل مسائل بھی انتہائی آسانی سے حل ہوگئے۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس ایک دشمن آیا اور کہا: اے محمد! تم کو میری اس تلوار سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ۔ حضور ﷺ کا یہ کہنا تھا کہ فوراً اس کی تلوار ہاتھ سے گرگئی۔

اس کے علاوہ ایک صحابی رسول حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ہیں، ایک مرتبہ وہ جنگل میں راستہ بھٹک گئے، سامنے دیکھا کہ ایک شیر چلا آرہا ہے، وہ تیزی سے ان پر لپکا، لیکن وہ بالکل اطمینان سے بیٹھے رہے، جب شیر قریب آگیا تو انہوں کہا: اے شیر! ہم رسول پاک ﷺ کے غلام ہیں۔ یہ سن کر شیر نے فوراً اپنی دُم ہلادی اور رک گیا، پھر حضرت سفینہؓ نے کہا: ہم کو جنگل سے باہر کا راستہ بتادو تو شیر نے ان کو باہر کا راستہ بتایا اور وہ اطمینان سے نکل گئے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی بڑے صحابی ہیں، ان کو رومی پکڑ کرلے گئے اور ان پر زور ڈالا کہ وہ ایمان چھوڑ دیں، انہوں نے کہا: تم نے یہ مطالبہ کرنے کی جرأت کیسے کی؟ ان لوگوں نے کہا: ہم تمہیں حکومت میں حصہ دیں گے، اعلیٰ درجہ کا عہدہ دیں گے، لیکن انہوں نے کوئی پیشکش قبول نہ کی، چنانچہ ان کو خوب مارا گیا اور آخر میں آگ کا ایک الاؤ جلایا گیا جس پر تیل کھولایا گیا اور ان کے سامنے ان کے ایک ساتھی کو اس میں ڈال دیا گیا، ظاہر ہے پھر جو ہونا تھا وہ فوراً ہوگیا اور یہ نمونہ دکھانے کے بعد انہوں نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اسی طرح تم کو بھی ڈالا جائے گے، یہ سن کر ان کے آنسو بہنے لگے، ان لوگوں نے کہا: اب ڈر گئے کہ نہیں؟ اس پر انہوں نے ایسا شاندار جواب دیا جو ان کے اعلیٰ ایمان کی کھلی دلیل ہے، فرمایا: میں اس سے ڈر کر نہیں رو رہا ہوں، مجھے تو اس وجہ سے رونا آگیا کہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح بتاؤں گا کہ ظالموں نے کس بے دردی سے مجھے شہید کیا تھا۔

اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کا واقعہ ہے، جب ان دونوں حضرات کے ساتھ ایک قافلہ کو دریا پار کرنا تھا اور کشتی وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا، تو دونوں کا مشورہ ہوا کہ اپنے گھوڑوں سمیت دریا میں کود جاتے ہیں، دریا پار کرانا اللہ کا کام ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا محاسبہ کرلے کہ کہیں کوئی گناہگار قافلہ میں شامل تو نہیں ہے، سب نے پورے وثوق سے کہا: نہیں، ہم سب الحمدللہ صاحب ایمان ہیں، ہمارا ایمان نیا اور تازہ ہے، چنانچہ طے ہوا کہ دریا میں کودا جائے اور خدا کی مدد ایسی ہوئی کہ پورا قافلہ بہت آسانی کے ساتھ دریا پار کر گیا، جب دریا کے اس پار پہنچ گئے تو قافلہ والوں سے پوچھا کہ کسی کا کوئی سامان تو نہیں ڈوبا؟ کسی نے عرض کیا کہ میرا ایک معمولی سا لوٹا نظر نہیں آرہا ہے، تو انہوں نے دریا کے کنارہ آواز لگائی کہ اگر وہ اس دریا میں ہو تو سامنے آجائے اور تھوڑی ہی دیر میں ان کا وہ سامان بھی ان کو مل گیا۔ ظاہر بات ہے یہ صحابہ کے ایمان کی بلندی تھی جس کے کرشمے وہ زندگی کے ہر موڑ پر دیکھتے تھے، صحابہ کی زندگی میں ایسا ایک دو واقعہ نہیں بلکہ بے شمار ہیں۔

ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ضروری ہے، آج ہم اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں، ہم محض عمل کرلینے ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، حالانکہ عمل کرلینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ عمل کا صالح ہونا بھی مطلوب ہے، صالح کا مطلب ہے کہ عمل ظاہراً و باطناً دونوں اعتبار سے اچھا ہو اور سنت کی میزان پر سو فیصد درست اترتا ہو۔

مسلسل

سچائی کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

سچائی کی اہمیت: سچائی کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، اسی لیے قرآن مجید میں کہا گیا کہ سچوں کے ساتھ رہو، گویا کہ یہ معیار ہے، لہٰذا کسی کے ساتھ رہنے سے پہلے تم یہ دیکھو کہ وہ سچ بولتا ہے یا جھوٹ بولتا ہے، اس لیے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ اس سے حقیقت کھل جاتی ہے، آدمی جھوٹ بولتا ہے، جھوٹے خواب بیان کرتا ہے، جھوٹی کرامتیں بیان کرتا ہے، یا اس کے ساتھ رہنے والے یہ سب تماشے کرتے ہیں اور اس جھوٹ پر وہ روک نہیں لگاتا ہے، گویا کہ اس کو بڑھاوا دیتا ہے تو یہ ساری باتیں وہ ہیں جو ایمان کے تقاضے کے عین منافی ہیں، ان کا ایمان سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اگر بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فائدہ پہنچتا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ فائدہ پہنچنا تنہا کافی نہیں ہے، فائدہ تو شیطان سے بھی پہنچ سکتا ہے، مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ" (صحیح مسلم: ۳۱۹) (اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید ایسے شخص سے بھی فرماتا ہے جو فاسق وفاجر ہوتا ہے۔)

لہٰذا اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ دین کا فائدہ اگر کسی سے پہنچ رہا ہے اور کسی کی اصلاح ہو رہی ہے، کوئی ایمان میں داخل بھی ہو رہا ہے، تو یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ سے کام ہو رہا ہے وہ بھی بہت اعلیٰ پیمانہ کا آدمی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ اللہ تو فاسق وفاجر سے بھی کام لے لیتا ہے، کسی انتہائی گندے انسان کو بھی کھڑا کر دیتا ہے، اس سے بھی کام لے لیتا ہے، دین اللہ کا ہے، اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو فرعون کو بھی اپنا لشکر بنا لیتا اور سب اللہ ہی کا لشکر ہے، ارشاد ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ﴾ (البقرۃ: ۲۵۱) (اور اللہ اگر لوگوں کو ایک دوسرے سے چلتا نہ کردے تو زمین بگڑ کر رہ جائے)

آیت سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ بعضوں کو بعضوں سے بھڑا نہ دیتا تو زمین میں ایک مصیبت آجاتی، اسی لیے نظام یہ ہے کہ ایک شیطان کھڑا ہوتا ہے تو اللہ دوسرا شیطان اس کے مقابلہ کے لیے کھڑا کر دیتا ہے۔

معلوم ہوا کسی سے بڑا کام ہو جانا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ وہ بھی بہت بڑا مقبول بندہ ہو گیا، بلکہ اصل علامت یہ ہے کہ خود اس کی ذاتی زندگی کیسی ہے، اصل یہ ہے کہ وہ سچ بولتا ہے، اس کی زندگی سچی ہے، اس کے اندر نفاق نہیں ہے۔ اس زمانہ کا بڑا مرض نفاق ہے، اندر کچھ ہوتا ہے اور آدمی باہر مظاہرہ کچھ اور کرتا ہے۔

نفاق کی ایک گھناؤنی شکل: نفاق کی سب سے گھناؤنی شکل "کذب" ہے، کذب جھوٹ کو کہتے ہیں، آدمی کے اندر کچھ اور ہے اور باہر کچھ اور ہے تو یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے اور اگر اندر باہر کی یکسانیت ہے تو یہ سب سے بڑا سچ ہے اور یہ سب سے مشکل بات ہوتی ہے، عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ آدمی کہیں نہ کہیں غچہ کھاتا ہے، ہوتا کچھ ہے اور مظاہرہ کچھ اور ہوتا ہے، حضرت مولاناؒ کو ہم نے دیکھا' ایسی یکسانیت ہم نے کہیں نہیں دیکھی، ان کا معاملہ ایسا تھا کہ جو بات اندر ہے وہی باہر ہے، یعنی گفتگو میں بھی کوئی ایسی شکل نظر نہیں آتی تھی کہ کوئی اس میں فرق کر سکے کہ حضرت یہاں کچھ فرما رہے ہیں اور وہاں کچھ اور فرمایا تھا، حضرت اس وقت کچھ کہہ رہے ہیں، لیکن ان کے سوچنے کا انداز شاید کچھ اور ہے، فی الحال کسی مصلحت سے کوئی دوسری بات کہہ رہے ہیں، ان کے یہاں ایسا کچھ نہیں تھا، ان کی اندر اور باہر کی پوری زندگی یکساں تھی، اپنوں اور غیروں کے ساتھ کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔ بلاشبہ یہ سچائی ایمان کی علامت ہے اور سب سے بڑی سچائی یہی ہے کہ آدمی کی زندگی میں کوئی فرق نہ ہو، جو بات اندر ہو وہی بات باہر ہو۔ اس زمانہ کا فتنہ یہ ہے کہ لوگ اپنی بزرگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن اندر بالکل خالی ہوتے ہیں اور انہیں دین سے حقیقت میں جو تعلق ہونا چاہیے وہ بھی نہیں ہوتا، اللہ سے تعلق تو بہت آگے کی چیز ہے، لیکن مظاہرہ اسی کا ہوتا ہے، ظاہر ہے یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اور سب سے بڑا سچ یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر وباطن یکساں ہو، صدیق کی علامت یہ ہے کہ اس کا اندر جیسا چمک رہا ہوتا ہے ویسا ہی باہر بھی چمکتا ہے اور جیسا باہر چمک رہا ہوتا ہے ویسا ہی اندر بھی چمکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ ہم سچوں

کے ساتھ وقت گذاریں، جو لوگ سچ بولتے ہوں، جو دین کا مظاہرہ نہ کرتے ہوں، بلکہ جو حقیقت دین ہے اس کو ایسا اختیار کرتے ہوں کہ دین ان کی زندگی سے پھوٹتا ہو۔ مظاہرہ کرنا اور بات ہے اور کسی چیز کا اندر سے پھوٹنا اور بات ہے، یہ زندگی جتنی سچی ہوگی، اتنا ہی زیادہ ایمان پختہ ہوگا، اسی لیے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے اور یہ بات اوپر گذر بھی چکی کہ ہے زبان کی حفاظت کی بہت ضرورت ہے، آدمی جو بات کہے سچی بات کہے، بات بنانے کے لیے جھوٹ نہ بولے۔

دین کے نام پر بد دینی: اس زمانہ میں یہ بھی ایک فتنہ ہے کہ لوگ دین کے لیے جھوٹ بولتے ہیں، ایک جگہ کا قصہ پتہ چلا کہ ایک مدرسہ والوں نے یہی تماشہ کیا، معلوم ہوا کہ ان کے یہاں تین سو لڑکے ہیں لیکن چندہ کے لیے لکھے ہوئے پانچ سو ہیں، جو شخص بیچارہ یہ کام کر رہا تھا اس کو خلش تھی، اس نے کسی مدرسہ کے ذمہ دار سے جب اس کی شکایت کی تو وہ کہتے ہیں کہ دین کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ عجیب بات ہے کہ لوگوں نے ایسے مفروضے تلاش کر لیے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں تماشہ بنا رکھا ہے، یاد رہے اللہ کا دین ایسا غیرت مند ہے کہ اس کو ہرگز ایسے باطل سہاروں کی ضرورت نہیں ہے، جس طرح مقصد درست ہونا چاہیے، اسی طرح وسائل بھی درست ہونے چاہئیں، یہ سمجھنا کہ صحیح مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آدمی غلط وسائل اختیار کر سکتا ہے، یہ بالکل دین کے مزاج سے ہٹی ہوئی بات ہے اور عین کذب ہے، جو حقیقت ہے اس کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اللہ نے زبان دی ہے، آدمی اس کا غلط استعمال کرے، جھوٹ بولے، اپنے فائدہ کے لیے جھوٹ بولے، یہ تو ہے ہی انتہائی رکیک اور گندی بات، آدمی جھوٹ بولتا ہے پیسہ لینے کے لیے، جھوٹ بولتا ہے اپنی عزت کو بڑھانے کے لیے، سوچنے کی بات ہے کہ یہ جھوٹی عزتیں کہاں تک اس کا ساتھ دیں گی۔

اس زمانہ کا ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ لوگ دین کے لیے جھوٹ بولنے لگے ہیں، اس کی شکلیں الگ الگ ہوتی ہیں، لیکن ہوتا ہر جگہ ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ سے جوڑنے کے لیے جھوٹ بولنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ایسے بزرگ ہیں اور ایسے ہیں، یہ ساری جو جھوٹ کی شکلیں ہیں اور یہ سب شکلیں دین کا تیا پانچہ کرنے والی ہیں، پھر دین باقی نہیں رہتا، ہم کو حکم دیا گیا کہ ہم بالکل دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی رکھیں، اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہونی چاہیے، دین بالکل صاف ستھرا ہے، دین کو کسی ایسے سہارے کی ضرورت نہیں جس میں جھوٹ اور ملاوٹ ہو، دین کے لیے ایسی چیزوں کا سہارا ہرگز نہ لیا جائے جو حق سے ہٹی ہوئی باتیں ہوں اور غلط ہوں۔

مبالغہ سے اجتناب: سچائی کا موضوع بہت اہم ہے، یہ بہت اہم ایک صفت ہے جو ایمان والوں کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس کو سمجھنا چاہیے، اس میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا، جتنا فتنہ پیدا ہوتا ہے، آپ غور کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ اکثر و بیشتر جھوٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ جھوٹ میں مبالغہ بھی شامل ہے، صریح جھوٹ نہ سہی لیکن بہرحال وہ بھی جھوٹ کی ایک شکل ہے، اس لیے کہ جب آدمی مبالغہ کا عادی ہو جاتا ہے تو ایک نہ ایک دن جھوٹ بھی بولتا ہے، پہلے مبالغہ کرتا ہے، اس کے بعد جھوٹ بولتا ہے، جس کو کہتے ہیں ”چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے“ ایسے ہی جھوٹا شخص اگر جھوٹ نہیں بھی بولتا تو مبالغہ کرتا ہے اور مبالغہ کرنے والا ایک نہ ایک دن جھوٹ بولتا ہے۔ لہٰذا ان تمام چیزوں سے بچنے کی ضرورت ہے، جو حقیقت ہو اس کو بیان کرنا چاہیے۔

صحبت کی تاثیر: آیت میں فرمایا گیا کہ اے ایمان والو! سچوں کے ساتھ رہو، تقویٰ اختیار کرو۔ اس میں بڑی اہم بات جو بیان کی گئی، اس کا تعلق نیک صحبت سے ہے، ہمیں اپنی زندگی اچھے لوگوں کے درمیان گذارنی چاہیے، جب ان لوگوں کا رنگ زندگی کے اندر آئے گا جو اچھے لوگ ہیں تو ہمارے اوپر اچھا رنگ چڑھے گا اور اگر برے لوگوں کے ساتھ وقت گذارا جائے گا تو یقینی بات ہے کہ وہ برا رنگ زندگی کے اندر چڑھے گا۔ نیک صحبت کا اس قدر اثر پڑتا ہے کہ اس سے بعض مرتبہ زندگی بدل جاتی ہے، بلکہ اکثر آپ دیکھیں گے کہ زندگی کے اندر جو تبدیلی پیدا ہوتی ہے، وہ تبدیلی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، اچھی تبدیلی بھی پیدا ہوتی ہے اور بری تبدیلی بھی، بعض مرتبہ نیک اور اچھے لوگ ہوتے ہیں ان کو برا ماحول مل جاتا ہے، تو اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کی زندگی بدل جاتی ہے، جن سے برائیوں کا تصور نہیں ہو سکتا، وہ بری صحبت کے نتیجہ میں برائیوں کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اور بالکل اسی طرح اگر آدمی اچھی صحبت میں رہتا ہے تو ایک نہ ایک دن اس کا اثر بہرحال پڑتا ہے، اور اس کی زندگی بدلتی ہے، سب سے زیادہ اصلاح کا جو تیر بہدف نسخہ ہے وہ صحبت ہے۔

عقیقہ کے احکام

مفتی راشد حسین ندوی

عقیقہ کے معنی: بچہ کی پیدائش کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے جو قربانی کی جاتی ہے' اس کو عقیقہ کہتے ہیں، عقیقہ کا لفظ "عـق" سے مشتق ہے جس کے معنی قطع یعنی کاٹنے کے ہیں اور عقیق ان بالوں کو کہتے ہیں جو پیدائش کے وقت بچہ کے سر پر ہوتے ہیں، ان کا نام عقیق اسی لیے پڑا کہ عقیقہ کے وقت ان کو مونڈا جاتا ہے، اسی مناسبت سے اس موقع پر کی جانے والی قربانی کا نام بھی "عقیقہ" پڑ گیا۔

(مرقاۃ، باب العقیقۃ، المعجم الوسیط)

عـقـیـقہ کا حکم اور اس کی فضیلت: آنحضرت ﷺ نے متعدد احادیث میں عقیقہ کا حکم دیا ہے، چنانچہ بخاری میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بچہ کے ساتھ عقیقہ (مسنون) ہے، لہٰذا اس کی طرف سے اہراق دم (قربانی) کرو اور اس سے گندگی دور کردو (یعنی بال منڈوادو)

اور حضرت حسن بن سمرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بچہ اپنے عقیقہ کے بدلہ گروی رکھا ہوتا ہے، (یعنی آفات سے بچہ کی سلامتی عقیقہ پر موقوف ہوتی ہے) ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے، نام رکھا جائے اور اس کے بال مونڈے جائیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد)

ان احادیث میں عقیقہ کے بارے میں آنے والی تاکید کے سبب امام احمد اور امام شافعی نے عقیقہ کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے، احناف کے نزدیک عقیقہ سنت مؤکدہ تو نہیں ہے لیکن مسنون و مستحب ضرور ہے، اگر اللہ نے وسعت دی ہے تو بہتر یہی ہے کہ عقیقہ کردیا جائے۔ (شامی: ۵/۲۳۶)

عقیقہ کس کی ذمہ داری ہے: عقیقہ کا حکم اصلاً والد کو دیا گیا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس کے بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کا عقیقہ کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا ذبح کرے۔ (ابوداؤد و نسائی)

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ آنحضرت ﷺ نے خود کیا تھا۔ (ابوداؤد، نسائی عن ابن عباس)

جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نانیہال والے عقیقہ کریں تو اس میں بھی حرج کی کوئی بات نہیں ہے۔

عقیقہ کے جانور: اکثر احادیث میں یہی ذکر آیا ہے کہ عقیقہ میں بھیڑ یا بکری ذبح کرنا چاہیے، لڑکے کی طرف سے دو ذبح کرنا افضل ہے اور لڑکی کی طرف سے ایک، چنانچہ حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا مینڈھے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا یا مینڈھا (ذبح کرو) اور اس میں کوئی ضرر نہیں کہ وہ جانور نر ہیں یا مادہ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

لیکن بخاری کی روایت میں عقیقہ کا ذکر کرتے ہوئے "فأهريقوا عنه دما" (اس کی طرف سے ایک دم دو یا قربانی کرو) کے الفاظ بھی صراحت سے آئے ہیں، لہٰذا اگر بکرے یا مینڈھے کے علاوہ قربانی کے دوسرے جانور' گائے بھینس یا اونٹ سے عقیقہ کرے تو سنت کی ادائیگی ہوجائے گی، چنانچہ صحابہ کرام میں سے حضرت انس اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے اونٹ سے عقیقہ کیا۔

(بچوں کے احکام و مسائل: ۹۲، بحوالہ الاشراف علی مذاہب العلماء)

پھر جب اونٹ اور گائے بھینس سے عقیقہ جائز ہے تو کیا قربانی کی طرح ایک جانور میں کئی بچوں کا عقیقہ کیا جاسکتا ہے یا ایام قربانی میں قربانی کی طرح عقیقہ کا حصہ لیا جاسکتا ہے؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بڑے جانور سے عقیقہ کرنا ہو تو ایک بچہ کے لیے پورے جانور کو بھی ذبح کرنا

چاہیے، لیکن احناف کے راجح قول کے مطابق قربانی کے زمانہ میں قربانی ہی کی طرح عقیقہ کے لیے حصہ لیا جاسکتا ہے اور ایام قربانی کے علاوہ میں ایک جانور میں کئی بچوں کا عقیقہ کیا جاسکتا ہے۔
(شامی: ۵/۲۲۹، کفایت المفتی: ۸/۲۶۳)

یہ بحث تو اس میں ہے کہ عقیقہ ہو جائے گا یا نہیں، تو راجح قول کے مطابق عقیقہ ہو جائے گا، لیکن اکثر احادیث میں بھیڑ بکری کا ذکر ہے، لہٰذا افضل یہی ہے کہ وسعت ہو تو انہی سے عقیقہ کرے اور دوسرے جانور سے عقیقہ کرے تو پورا جانور ایک بچہ کے لیے ذبح کرے، وسعت نہ ہو تو اوپر مذکور گنجائش سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

لڑکے کے لیے ایک بکرا: اصل حکم یہی ہے کہ لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکرا ذبح کیا جائے، جیسا کہ اوپر احادیث میں مذکور ہے، لیکن اگر لڑکے کا عقیقہ ایک بکرے سے کرے تب بھی سنت ادا ہو جائے گی، اس لیے کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن کا عقیقہ ایک بکرے سے کیا تھا اور ابوداؤد و نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت حسن اور حسین دونوں کا عقیقہ ایک ایک مینڈھے سے کیا تھا۔

جانوروں کی عمریں: جس جانور سے عقیقہ کرنا ہے، اس کا ان تمام عیوب سے خالی ہونا ضروری ہے جن کی موجودگی میں قربانی درست نہیں ہوتی، اسی طرح بکرے کا ایک سال کا ہونا' گائے بھینس کا دو سال کی ہونا' اونٹ کا پانچ سال کا ہونا بھی ضروری ہے۔
(شامی: ۵/۲۳۶)

عقیقہ کب کیا جائے: افضل یہ ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، جیسا کہ اوپر احادیث میں ذکر آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ جس دن پیدا ہوا ہے، اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کیا جائے، مثلاً: جمعہ کو پیدائش ہوئی ہے تو جمعرات کو کیا جائے اور رات چونکہ اگلے دن کے تابع ہوتی ہے، لہٰذا اگر جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات میں پیدائش ہوئی ہو تب بھی جمعرات ہی کو عقیقہ کرنا مستحب ہوگا۔ (موسوعہ فقہیہ: ۳۰/۲۷۸)

اگر کسی وجہ سے عقیقہ ساتویں دن نہ کر سکے تو چودہویں دن کرے اور چودہویں دن بھی نہ کر سکے تو اکیسویں دن کر لے، ان دو تاریخوں کا ذکر حضرت عائشہ کے ایک اثر بلکہ ایک حدیث مرفوع میں بھی کیا گیا ہے۔ (مستدرک حاکم، سنن بیہقی)

اگر ان دو تاریخوں میں عقیقہ نہ کر سکیں تو کبھی بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے، لیکن بہتر یہ ہوگا کہ ساتویں دن کا اعتبار کرتے ہوئے کریں، یعنی پیدائش کے دن سے ایک دن پہلے۔
(اعلاء السنن: ۱۷/۱۱۷)

پہلے ذبح یا حلق: ذبح کے ساتھ ساتھ بچہ کے بال مونڈنا لازم نہیں ہے، بلکہ ذبح سے پہلے یا بعد میں اپنی سہولت کے مطابق کسی بھی کام کو پہلے یا بعد میں کر سکتے ہیں، سنت عقیقہ ادا ہو جائے گی، لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے جانور ذبح کیا جائے پھر بال مونڈے جائیں، اس لیے کہ ترمذی کی حدیث میں اسی ترتیب سے ذکر ہے۔

دوسرے شہر میں عقیقہ: عقیقہ کے لیے بچہ کا سامنے ہونا ضروری نہیں ہے، بچہ اگر دوسرے شہر میں ہو یا آپریشن کے ذریعہ ولادت ہوئی اور بچہ ابھی اسپتال ہی میں ہو تب بھی عقیقہ کرایا جاسکتا ہے، اس کی بھی گنجائش ہے کہ ایک بکرا بچہ کے گھر میں اور ایک دوسرے شہر میں ذبح کرایا جائے، پھر جب بکرے ذبح ہو جائیں تو بال منڈوا دیے جائیں۔ (کتاب المسائل: ۱/۲۶۲)

حلق کی حیثیت: حلق کرانا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ حلق کے بعد بچہ کے سر پر زعفران مل دیا جائے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کر دی جائے، چنانچہ ترمذی میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بکرے سے حضرت حسن کا عقیقہ کیا اور حضرت فاطمہ سے فرمایا: اس کا سر مونڈ دو اور بال کے ہم وزن چاندی صدقہ کر دو، چنانچہ ہم نے بالوں کا وزن کیا تو وہ ایک درہم (تقریباً ۳ گرام چاندی) یا ایک درہم کے کچھ حصہ کے ہم وزن تھے۔ (شامی: ۵/۲۳۶)

......باقی صفحہ نمبر: ۲۰ پر

ہندوستانی زرعی قانون
(Indian Farm Act)

سید محمد مکی حسنی ندوی

ہندوستانی پارلیمنٹ نے ستمبر کے تیسرے ہفتہ میں زراعت سے متعلق یکے بعد دیگرے تین بل متعارف کرائے جنھیں ۲۷ ستمبر ۲۰۲۰ء کو صدر جمہوریہ کی دستخط کے بعد قانونی حیثیت دے دی گئی۔

چونکہ اس قانون سے کسانوں کے مفادات پر زد پڑتی ہے اس لیے اس کے اعلان کے ساتھ ہی ملک کی سیاست میں ایک بھونچال سا آگیا، کسان اکثریت والے صوبے (پنجاب و ہریانہ) کے لوگوں نے ہنگامہ برپا کردیا، جگہ جگہ احتجاج اور دھرنوں کا سلسلہ شروع ہوا اور انھوں نے "دہلی چلو" کا نعرہ دیتے ہوئے دہلی کا رخ کیا، ان کا مقصد دہلی کے رام لیلا میدان میں جمع ہوکر اس قانون کے خلاف اپنا احتجاج درج کروانا تھا۔

ایسی صورتحال میں بجائے اس کے کہ حکومت ان کسانوں کی بات کو سنتی، قانون میں بظاہر نظر آنے والی خامیوں کو دور کرتی اور ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتی، اس نے سخت تیور اپنا لیے، اس شدید ٹھنڈ میں حکومت نے اضافی مظالم کے ذریعہ ان کی ہمتوں کو توڑنے کی کوششیں شروع کردیں، حکومت کی مداخلت کے بعد کسانوں کا جم غفیر سندھو بارڈر پر ہی روک دیا گیا، مردوں اور عورتوں کی سیکڑوں کی تعداد آج سڑکوں پر سراپا احتجاج بن ہوئی ہوئی ہے، وہ بھوک ہڑتال بھی کررہے ہیں اور پولیس کی جانب سے ہونے والی سختیوں کو برداشت بھی کررہے ہیں، کئی کسان اپنی جان بھی گنوا چکے ہیں، حکومت سے ان کا سیدھا سا مطالبہ ہے کہ یہ قانون ان کے مفادات کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا حکومت اس قانون کو پوری طرح منسوخ کرے۔

اس زرعی قانون کی تین شقیں ہیں اور یہ تینوں کسانوں کے مفادات کے خلاف ہیں:

۱- ضابطہ برائے فروغ وسہولیات:

"Farmers Produce Trade and Commerce (Production and Facilitation)"

یہ ضابطہ اعلان شدہ بازاروں سے باہر بغیر کسی رکاوٹ کے زرعی پیداوار کے کاروبار کا راستہ ہموار کرتا ہے، یعنی کسان اپنی پیداوار پورے ملک میں کہیں بھی فروخت کرسکیں گے، بظاہر یہ ضابطہ کسانوں کے مفاد میں ہے کہ ان کے لیے تجارت کی راہیں آسان کی جارہی ہیں، لیکن حقیقت میں اس ضابطہ کے نفاذ کے بعد (APMC) (Agricultural Produce Market Committee) کا نظام پوری طرح متاثر ہوسکتا ہے یعنی اس ضابطہ کے تحت غیر سرکاری کمپنیاں بھی کسانوں سے پیداوار خریدنے کی مجاز ہوں گی، جس کے نتیجہ میں سرکاری منڈیوں کا نظام بری طرح متاثر ہوگا۔

سرکاری اور غیر سرکاری منڈیوں میں ظاہری فرق یہ ہے کہ سرکاری منڈی میں معمولی سہی مگر فیس لگتی ہے اور اقل حمایتی قیمت (Minimum Support Price) کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے، جبکہ غیر سرکاری منڈی میں بہت ممکن ہے کہ کوئی فیس نہ لی جائے بلکہ مختلف انعامات اور اسکیموں کا فائدہ بھی دیا جائے، جس کے نتیجہ میں لوگوں کی رغبت غیر سرکاری منڈیوں کی طرف بڑھے گی اور پھر دھیرے دھیرے اس کا ایسا چلن ہوگا کہ سرکاری منڈیاں یا تو ختم ہوجائیں گی یا برائے نام باقی رہیں گی، پھر غیر سرکاری کمپنیاں کسانوں کے ساتھ معاملات کرنے میں آزاد ہوں گی اور مارکیٹ پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد وہ اقل حمایتی قیمت (MSP) کا لحاظ رکھنے کی پابند بھی نہیں ہوں گی، اس کا نقصان یہ ہوگا کہ یہ کمپنیاں کسانوں کی پیداوار من مانی قیمت پر خریدیں گی۔ اس کی کھلی ہوئی مثال بہار ہے جہاں کوئی سرکاری منڈی نہ ہونے کی وجہ سے

اناج کی قیمت ملک کی تمام سرکاری منڈیوں سے کمتر ہے۔ اگر حکومت اپنی نیت میں صاف ہے تو MSP کو قانون بنادے کہ اس سے کم قیمت پر معاملہ نہیں ہوگا۔ مگر اس میں غیر سرکاری کمپنیوں کا نقصان ہوجائے گا۔

۲-ضابطہ برائے تحفظ کسان اوران کو با اختیار بنانا:

"Farmers (Empowerment and Protection) Agreement on Price Assurance and Farm Services "

اس ضابطہ کے تحت بڑی کمپنیاں کسانوں سے زراعت اوراس کی قیمت کا تحریری معاہدہ کریں گی اور فصل کے نقصان کے باوجود کمپنیاں طے شدہ قیمت ہی ادا کریں گی، بظاہر یہ قانون بھی کسانوں کے حق میں ہی ہے کہ اس سے ان کا سرمایہ ڈوبنے کا خطرہ بھی نہیں اور کمپنیوں کی مداخلت سے زراعت کے نظام میں سہولیات بھی حاصل ہوں گی۔ لیکن اس ضابطہ کے تحت اس بات کا قوی امکان ہے کہ کمپنیاں کم سطح پر قیمتوں کا تعین کریں، نیز معاہدہ میں کسان کا یہ نقصان بھی ہے کہ مستقبل میں کسی کمپنی کی معاہدہ شکنی کی صورت میں کسان بے بس ہوجائے گا، مطلب اگر فصل خراب ہوئی تو اس کا بالکل امکان ہے کہ کمپنی گھاٹا اٹھانے کے بجائے کسان پر زیادتی کرے اور نقصان کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑے اور ضابطہ کی رو سے کسی بھی تنازعہ کی صورت میں SDM کی عدالت کو فیصلہ کا حق ہوگا، عدم اطمینان کی صورت میں DM کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔ عام کسانوں میں اتنی ہمت وفرصت اور اتنی مالی حیثیت نہیں ہے کہ وہ ایس ڈی ایم یا ڈی ایم تک اپنی بات پہنچائیں اور قانونی چارہ جوئی کے لیے چکر لگائیں، یہ قانون انگریزوں کے "نیل کھیتی قانون" (Indigo Farming) کا اعادہ ہے جہاں کاشتکار انگیزوں کا پابند تھا، جیسے اب کسان پابند ہوجائیں گے اور پابندی نہ کرنے پر ان کسانوں کے کھیت چھینے بھی جاسکتے ہیں۔

۳-ضابطہ برائے لازمی اجناس (ترمیمی):

"Essential Commodities (Amendment)"

۱۹۵۵ء ضروری اشیاء کی جمع خوری سے متعلق ایک ضابطہ پاس ہوا تھا جس میں روزمرہ کی انسانی ضروریات کی ایک لمبی فہرست تھی اور جمع خوری (Stock) کی ایک حد متعین تھی، کیونکہ اگر حد سے زیادہ جمع خوری کی جائے تو بنیادی ضرورت کی اشیاء کی قیمتوں کا بڑھنا یقینی ہے، اب اس ضابطہ میں ترمیم کرکے ان سب اشیاء کو ضروریات کی فہرست سے باہر کردیا گیا ہے، یعنی اب انسانی ضرورت کی بنیادی اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کی کوئی حد متعین نہیں، اس ضابطہ کا براہ راست فائدہ غیر سرکاری کمپنیوں اور جمع خوروں (Stockists) کو ہوگا اور کسانوں کو نقصان ہی نقصان۔ اس کی ظاہری شکل یہ ہے کہ فصل کی کٹائی کے وقت کسانوں سے سستے داموں میں غلہ خرید لیا جائے گا اور انھیں بڑے بڑے گوداموں میں اسٹاک کرلیا جائے گا اور جب مارکیٹ میں یہ اشیاء کم پڑجائیں گی یا ختم ہوجائیں گی، تب یہ کمپنیاں ان اشیاء کو بازار میں اپنی مرضی کی قیمت کے ساتھ فروخت کریں گی جس سے یہ بنیادی ضرورت کی چیزیں بھی حد درجہ مہنگی ہوجائیں گی اور اس کا نقصان کسانوں کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی ہوگا۔

زرعی قانون کی یہ وہ شکلیں ہیں جن کی مخالفت میں آج کسان سڑکوں پر ہیں، جبکہ حکومت کا اصرار ہے کہ یہ سارے ضابطے کسانوں کے مفاد کی خاطر ہیں، کسان صرف انھیں سمجھ نہیں سکے ہیں، اگر حکومت کا دعویٰ تسلیم کرلیا جائے کہ کسانوں کے فائدے کے قوانین ہیں تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ کسانوں سے بنا مشورہ کیے چور دروازے سے یہ قانون لانے کی ضرورت ہی کیا ہوئی؟ کیا کسی کسان تنظیم نے اس کی مانگ کی؟ کیا آج حکومت اس مدعے پر بات کرنے کے لیے تیار ہے؟ اور خاص طور پر سنگھ پریوار کا "بھارتیہ کسان سنگھ" (BKS) کا بھی اس کی مخالفت کرنا' اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ حکومت کی نیت صحیح نہیں ہے اور جس طرح حکومت نے ملک کے مختلف ادارے غیر سرکاری کمپنیوں کو فروخت کیے ہیں، اسی طرح کاشت کاری کو بھی فروخت کرنے کے درپے ہے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر یمن

محمد ارمغان بدایونی ندوی

ملک یمن مکہ سے تقریباً ایک ہزار کلو میٹر کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے، اسلام سے قبل یمن اہل کتاب کا مسکن تھا اور اسی لیے بڑی حد تک مظاہر شرک سے محفوظ تھا، یہ ملک میدان تجارت میں بہت مشہور تھا اور یہاں کے مختلف شہروں میں متعدد چیزوں کی تجارت کی جاتی تھی، جن میں مصالحہ جات کی تجارت بہت مشہور ہے، عرب تاجر عموماً مصالحوں کی تجارت کے واسطے یمن آتے تھے۔

''جرش'' یمن کا ایک مشہور شہر ہے اور تاریخی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے، مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر دو مرتبہ تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اسفار میں عظیم منفعت حاصل ہوئی اور دونوں مرتبہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹوں سے نوازا۔

ملک یمن کے ان تجارتی اسفار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے طرز معاشرت کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ان کی نفسیات و مزاج سے بھی خوب واقف ہو گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب بعثت کے بعد اہل یمن کا قافلہ حلقہ بگوش اسلام ہونے کی غرض سے حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برجستہ یوں اظہار خیال فرمایا:

''أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً وَأَلْيَنُ قُلُوبًا، الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ، وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَصْحَابِ الْإِبِلِ وَالسَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ'' (تمہارے پاس یمن کے لوگ حاضر ہوئے ہیں، یہ بہت نرم مزاج اور نرم دل ہیں، ایمان یمن کا ہے اور حکمت بھی یمن کی ہے، اونٹ پالنے والوں میں فخر وریا پیدا ہو جاتا ہے اور بکریوں کے پالنے والوں میں وقار اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔) (بخاری، ۴۳۸۸)

بعض روایات کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان تجارتی اسفار میں وہاں کے مذہبی عناصر کا بھی جائزہ لے لیا تھا اور اہل مکہ و اہل یمن کے مذہبی مزاج کا بھی خاصا موازنہ کر لیا تھا، اسی لیے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر منتخب فرمایا تو انہیں ایسے امور کے دعوت دینے کی ہدایت کی جو اہل کتاب اور اہل اسلام میں مشترک ہیں، تاکہ مخاطبین کی بھرپور رعایت رہے اور وہ رفتہ رفتہ اسلام سے مانوس بھی ہو جائیں، صحیح بخاری کی ایک روایت ہے:

''إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَىٰ قَوْمٍ أَهْلَ كِتَابٍ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةَ اللّٰهِ، فَإِذَا عَرَفُوا اللّٰهَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ......الخ''

(تمہیں ایک ایسی قوم کے پاس جانا ہے جو اہل کتاب ہے، تو تمہارا اولین دعوتی فریضہ یہ ہونا چاہیے کہ تم انہیں مطلقاً عبادت الٰہی کی دعوت دو اور پھر جب وہ معرفت الٰہی حاصل کر لیں، تب انہیں بتاؤ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر دن ورات میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے۔) (بخاری: ۱۴۵۸)

ملاحظہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمودات ضروری نہیں کہ محض سفری مشاہدات ہی کا نتیجہ ہوں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجالس میں بہت سی ایسی جگہوں کا تذکرہ فرمایا، جنہیں چشم دید نے دیکھ کر بھی ایسا نہ سمجھا ہو، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معلومات کا اصل مصدر وماخذ وحی الٰہی تھا، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳-۴) (اور وہ خواہش سے نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو ان پر کی جاتی ہے)

تاہم اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی زندگی میں اہل یمن کے متعلق مختلف مقامات پر جو اقوال کہے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران تجارت اپنا مقصود اصلی تجارت ہی کو نہیں سمجھا، بلکہ ذہن کو آفاقی بنایا اور وہاں کے لوگوں کی طبیعتوں کو پرکھا اور ان سے بخوبی واقف بھی ہوئے اور بعثت کے بعد اس بات کا بھی اندازہ لگا لیا کہ وہاں کے باشندوں میں دعوت کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے، اسی لیے حضرت معاذؓ کو وہاں کے مزاج کے مطابق ہدایت کی، تاکہ وہ لوگ مانوس ہوں اور اسلام کے پیغام پر کان بھی دھریں۔ بلاشبہ اس میں اصحاب دعوت اور اصحاب تجارت دونوں ہی کے لیے ایک عظیم پیغام ہے۔

مسلمانوں میں فرقہ پرستی کا مرض

محمد نفیس خاں ندوی

نبی آخرالزماں (ﷺ) نے حجۃ الوداع کے موقع پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: "لاترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض" (میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو)

نبی کریم (ﷺ) کا یہ انتباہ اس فرقہ پسندی کی جانب بھی ہے جس نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنادیا، خلافت اسلامیہ کی مضبوط دیواروں میں رخنہ پیدا کرکے اسے خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھادیا، مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے، خودمختار ریاستیں قائم ہوئیں، مسلم طاقتیں بکھر گئیں اور نتیجہ مسلمانوں کے زوال کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اسلامی حکومتوں کو جن چیزوں نے بے تحاشہ نقصان پہنچایا ہے ان میں سے ایک اسلامی نظریہ اخوت سے انحراف بھی ہے، جو قبائلی، علاقائی اور نسلی خانہ جنگیوں پر منتج ہوا، اسلام نے اُن تمام بتوں کو پاش پاش کردیا تھا جن کی وجہ سے نسل انسانی کی وحدت معرض خطر میں پڑ جاتی ہے، نسلی تفاوت، رنگوں کا فرق، علاقائی امتیاز یا قبیلہ وخاندان کا تفاخر، اسلام نے ان تمام امتیازات کو صرف تعارف اور پہچان کا ذریعہ مانا ہے نہ کہ باعث نزاع یا باعث فخر ومباہات! اسلامی نقطۂ نظر سے وحدت انسانی اور اخوت باہمی کی بنیاد صرف ایمان ہے، ایک کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کا بھائی ہے چنانچہ مکہ کے ابوبکرؓ، فارس کے سلمانؓ، روم کے صہیبؓ اور حبشہ کے بلالؓ سب اسی اخوت اسلامی کی لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔

جب تک اخوت اسلامی کا یہ نظریہ شعوری طور پر اور اپنی دریافت کے ساتھ زندہ رہا مسلم امت "بنیان مرصوص" کی طرح پختہ رہی، لیکن جب یہ نظریہ کمزور ہوا اور فرقہ پرستی کے عناصر اس میں در آئے تو یہ امت زوال کے راستہ پر گامزن ہوگئی، اس فرقہ پرستی کی وجہ سے مسلمانوں کو جتنا نقصان پہنچا اتنا نقصان یہودی سازش اور مسیحی وسائل سے بھی نہیں پہنچا، خلافت اسلامیہ میں پہلی دراڑ اسی فرقہ پرستی کا ہی شاخسانہ تھی، عہد عثمانی میں ملت اسلامیہ پر پہلا حملہ اسی راستہ سے کیا گیا، عبداللہ ابن سبا مسیحی رہا ہو یا یہودی ایجنٹ، وہ آیا تو ایک مسلمان اور محب اہل بیت کے روپ میں تھا، وہ اسلام کے مقابل کافر بن کر نہیں آیا تھا، اور اس دعویٰ کے ساتھ آیا تھا کہ خلافت اہل بیت کا حق ہے جس پر دوسرے قابض ہیں، یہ وہ فتنہ تھا جو حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت پر منتج ہوا، خلافت اسلامیہ کی چولیں ہل گئیں، امت کی وحدت کو شدید دھچکا لگا، اور پھر امت گروہ در گروہ بٹتی چلی گئی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے عہد میں خوارج نمودار ہوئے، یہ بظاہر اسلامیت کے علمبردار اور تقویٰ وتدین میں ہمالہ تھے، اپنے عقائد کی اشاعت میں جان کی بازی لگادینا ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھا، اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا اپنا اولین فریضہ سمجھتے تھے، لیکن ان کے خود ساختہ عقیدوں اور غالیانہ تقشّف پسندی کے سبب اسلامی حکومت کو جتنا جانی ومالی نقصان اٹھانا پڑا اتنا کسی سیاسی گروہ کے ہاتھوں نہیں اٹھانا پڑا۔

بنوامیہ کے دور میں ایک طرف شیعہ، مرجئہ ومعتزلہ جیسے فرقوں کا ظہور ہوا تو دوسری طرف حکومت کے ایوانوں میں قبائلی تعصب کے اثرات نمایاں تھے، حکمرانوں نے ذاتی اغراض کے حصول میں تعصب کو خوب استعمال کیا، حاکموں کی تقرری میں یہی جذبہ کارفرما

تھا، فاتح سندھ محمد بن قاسمؒ اسی تعصب کی بھینٹ چڑھے تھے، خلیفہ سلیمان کا حجاج کے رشتہ داروں کو سزائیں دینا، یزید ثانی کا آل مہلب کو ختم کرنا، ولید ثانی کا عبداللہ قسری کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرنا یہ سب اسی قبائلی عصبیت کے شاخسانے ہیں۔

عباسیوں نے بنی امیہ کی بساط الٹ دی، پھر پورے خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دیا، مُردوں کو قبروں سے نکال کر پامال کیا، بنو فاطمہ اور علویوں پر بے تحاشا مظالم ڈھائے، خلیفہ منصور نے محمد نفس الزکیہؒ اور ان کے بھائی ابراہیمؒ کے ساتھ سخت ناروا سلوک کیا، ہارون رشید کا رویہ بھی علویوں کے ساتھ کچھ اسی طرح کا تھا، ایک طرف عباسیوں کی قبائلی عصبیت نے ان کو کمزور کردیا تو دوسری طرف قرامطہ اور باطنیہ نے مسلم حکومت کو کھوکھلا کردیا۔

الغرض ابتدا ہی سے فرقہ پرستی کا مرض مسلمانوں میں پنپتا رہا اور حکومت اسلامیہ کی بے پناہ طاقت اسی میں ضائع ہوتی رہی، عوام اور حکومت کی وہ کوششیں جو اسلام کی اشاعت میں صرف ہونی چاہیے تھیں ان فرقہ پرستیوں کی نذر ہوگئیں جس کا منطقی انجام سقوط بغداد اور سقوط غرناطہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔

کسی بھی عہد کا مطالعہ کیا جائے تو مسلمانوں کو کھوکھلا کرنے والی چیز یہی فرقہ پرستی اور اس کے مظاہر ہیں، خاندانی عصبیت، قبائلی رقابتیں، علاقائی جھگڑے اور رنگ ونسل کے امتیازات' ملت اسلامیہ کو اس طرح کھا رہے ہیں جیسے لکڑی کو گھن کھا جاتی ہے، مشہور فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر گستاؤ لیبان کا تجزیہ بالکل درست ہے کہ یہی فرقہ پرستی مسلمانوں کے زوال کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی:

''یہی خانہ جنگیاں ان کی نااتفاقیوں کا باعث ہوئیں اور پھر آپس کی نااتفاقیوں نے ان کے تنزل کی بنا ڈالی، فی الواقع عربوں کی قوت قبل اس کے کہ اس پر دشمنوں کا اثر پڑے خود ان کے اپنے ہاتھوں ضائع اور برباد ہوگئی تھی۔''

ذلت وادبار کے اس دور میں بھی ملت اسلامیہ کی کوششوں کا ننانوے فیصد اسی فرقہ پرستی کی نذر ہو رہا ہے، اسلام کے نام پر کی جانے والی کوششوں کا حقیقی محور مخصوص فرقہ کی نشر واشاعت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اس چیز نے مسلمانوں کو بام عروج سے قعر مذلت میں دھکیل دیا تھا اور آج بھی اس دلدل سے نہ نکلنے سکنے کی ایک بنیادی وجہ یہی فرقہ پرستی ہے۔

بقیہ: عقیقہ کے مسائل

............چونکہ حلق کا حکم استحبابی ہے، لہٰذا اگر کسی وجہ سے حلق کرنا مناسب نہ ہو، مثلاً: کسی بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر نے اس سے منع کردیا ہو یا عمرہ زیادہ ہوجانے کے بعد عقیقہ ہو رہا ہے اور بال منڈانے میں گرانی ہو رہی ہو تو بال منڈائے بغیر بھی عقیقہ ہوسکتا ہے، بلکہ اگر لڑکی کا عقیقہ عمر زیادہ ہونے کے بعد ہو رہا ہو تو اس کے بال مونڈنا ناجائز ہوگا۔ (ہندیہ:۵/۳۵۸)

عقیقہ کے گوشت میں کیا کریں: اس میں شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے، چاہے تو گوشت سے کھانا پکوا کر لوگوں کی دعوت کردے اور چاہے تو بغیر پکوائے اعزاء اور امیر وغریب میں گوشت تقسیم کردے، آج کل عقیقہ کی دعوتوں میں طرح طرح کی رسمیں شامل ہوگئی ہیں جن سے مدعوئین کو گرانی بھی ہوجاتی ہے، ان سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دعوت نہ کرے اور گوشت تقسیم کردے۔ (شامی:۵/۲۳۶)

نام رکھنا: بہتر یہ ہے کہ جس دن عقیقہ کیا جائے' اسی دن بچہ کا کوئی اچھا سا نام بھی رکھ دیا جائے، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے: ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، بچہ کا نام رکھا جائے اور سر مونڈا جائے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نیز دیکھئے؛ شامی:۵/۲۳۶)

عـقیقہ کی کھال: عقیقہ کے جانور کی کھال کا بھی وہی حکم ہے جو قربانی کی کھال کا ہے، اپنے استعمال میں بھی لے سکتا ہے، کسی امیر یا غریب کو بھی دے سکتا ہے، لیکن بیچنے کے بعد اس کا صدقہ کرنا ہی متعین ہوجاتا ہے۔ (کتاب المسائل:۱/۲۶۴)

اسلام دشمن عناصر کا مقابلہ

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ

''کون نہیں جانتا کہ آج کی دنیا میں دولت وحکومت پر، علمی اور فکری مرکزوں پر اور ذہنوں میں انقلاب پیدا کرنے والے نشر واشاعت کے دور رس رسائل پر تمام تر قبضہ یا ان (اہل مغرب) کا ہے جو کھلے طور پر دشمن اسلام ہیں اور آپس کے ہزاروں اختلاف کے باوجود اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ اسلام کو سمجھے ہوئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں متحد ہیں، یا پھر کچھ ایسے ہاتھوں میں ہے جو مسلمان کہلانے کے باوجود ان (اہل مغرب) سے ایسے مرعوب ہیں کہ اسلام کی سب سے بڑی خدمت اس کو سمجھتے ہیں کہ اس کو کھینچ تان کر کسی طرح ان آقاؤں (اہل مغرب) کی مرضی کے مطابق بنا دیا جائے۔ ان حالات میں اسلام دشمن عناصر کا مقابلہ کرنے کے لیے اگر کوئی قوت اہل حق کے پاس ہے تو وہ صرف ان کا باہمی اتحاد و اتفاق اور اجتماعی کوشش ہے۔ اس کے لیے کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ آپس کے سابقہ اختلافات کو ایک خاص دائرہ میں محدود کر کے ان سب کی پوری طاقت اس محاذ پر صرف ہو جس طرف سے کھلے کفر و الحاد کی یلغار ہے اور کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ اس دور میں ملت کی فکری اور عملی توانائیاں غیر ضروری یا ثانوی اہمیت کے مسائل پر صرف کرنے کے بجائے ان بنیادی مسائل پر خرچ کی جائیں جو اس وقت عالم اسلام کے لیے زندگی اور موت کے مسائل ہیں۔''

(حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق: ۱۳۰)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 13 ⚜ January 2021 ⚜ Issue: 01

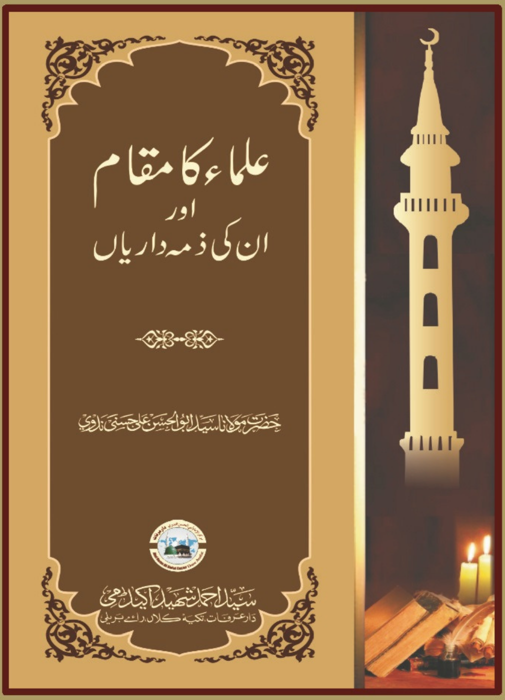

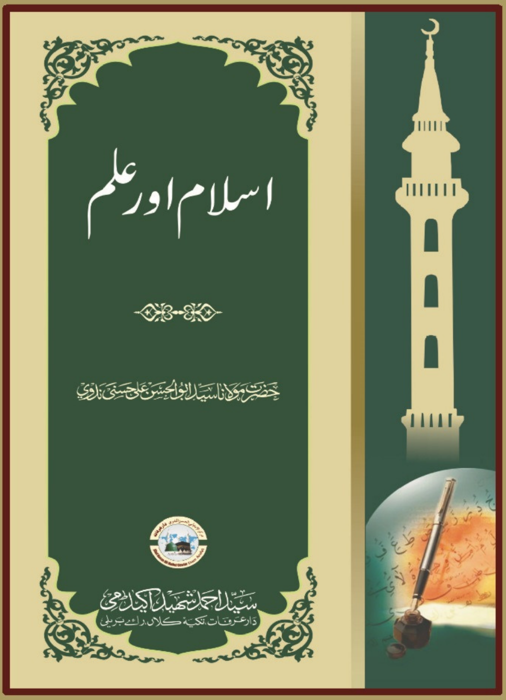

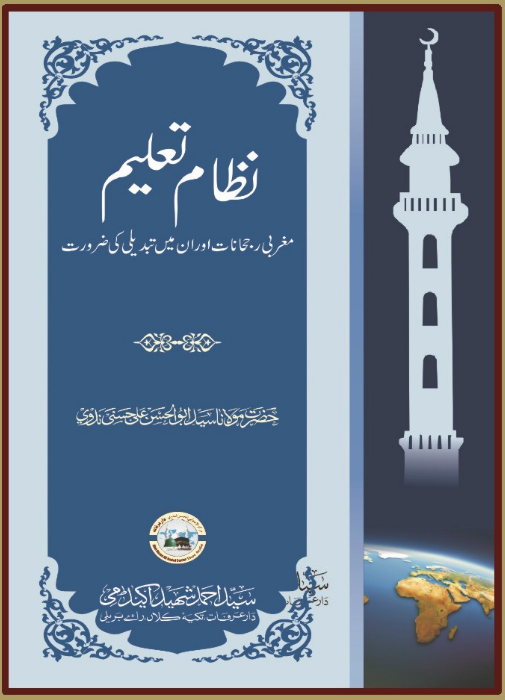

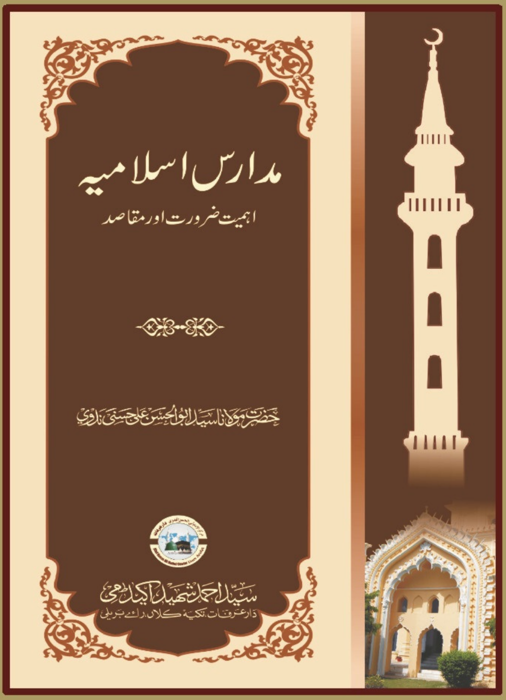

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)